فائزہ افتخار

"یار ازکی!" جنید کے بڑی رازداری سے مخاطب کرنے پہ وہ اس کی جانب جھکی تو جہاں اس کے "یار" کہنے پہ اشعب پہلے ہی تلملا اٹھا تھا۔ وہاں نئی نویلی چند روزہ دلہن کی خود پہ سے توجہ ہٹتے دیکھ کے اور بھی جل بھن گیا۔ اس نے بڑی ناگوار سی نظروں کے ساتھ دائیں جانب پڑے صوفے پہ نیم دراز جنید کو دیکھا۔ جس کے ایک جانب صوفے کے بازو پہ تجلی چڑھی بیٹھی تھی تو دوسری جانب ازکی جھکی ہوئی بڑے انہماک سے اس کی بات سن رہی تھی۔ جیسے کہ وہ کوئی بہت ہی دلچسپ بات کرنے والا ہو۔ جبکہ اشعب مسلسل اسے فضول گوئی کرتے سن رہا تھا۔ اب بھی اس نے سامنے بیٹھی کافی کے بڑے سے مگ سے چسکیاں بھرتی اپنی ناراض ناراض سی بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گوہر افشانی کی۔

"یار ازکی! اپنی آپی کو تم ہی مشورہ دے دو۔ میری تو وہ ایک نہیں سننے والی۔"

"وہ کیا؟" اس کے اشتیاق پہ اشعب اور چڑھ گیا

"ان سے گزارش کرو کہ تم ازکم اپنے بال کھلے مت چھوڑا کریں۔ ایسا لگتا ہے عزیز میاں قوال کی پارٹی میں شریک ہو گئی ہیں۔ وہ نہیں ہوتے..... بھلا کیا

ناولٹ

کہتے ہیں انہیں..... ہاں..... ہم نوا..... عزیز میاں قوال اور ہم نوا..... ایسا لگتا ہے ابھی زمین پہ پھسکڑا ماریں گی دونوں ہاتھ زانو پہ اور سر گھماتے ہوئے دھمال....."

اس کے بے ہنگم قہقہوں میں ازکی اور تجلی کی کھی کھی کھی بھی شامل ہو گئی۔ 'دی' نے مگ سائیڈ ٹیبل پہ پٹخا اور سلیولیس قمیص کے فرضی کف چڑھاتے ہوئے دنگل کا سگنل دینے لگی۔ جنید نے سالیوں کو پرے دھکیلا اور دونوں کان کھینچتے ہوئے سر دھننے لگا۔

"میری توبہ..... میری توبہ..... میری توبہ توبہ۔" اس کی اونچی اونچی تانوں پہ ایک بار پھر قہقہے بکھر گئے۔ سب جانتے تھے وہ طوبیٰ کو توبہ کہہ کر چڑایا کرتا ہے اور اس کے گھنے گھنگھریالے سے بال تو سدا اس کے مذاق کی زد میں رہا کرتے، خصوصاً جب کبھی بڑے عرصے بعد وہ
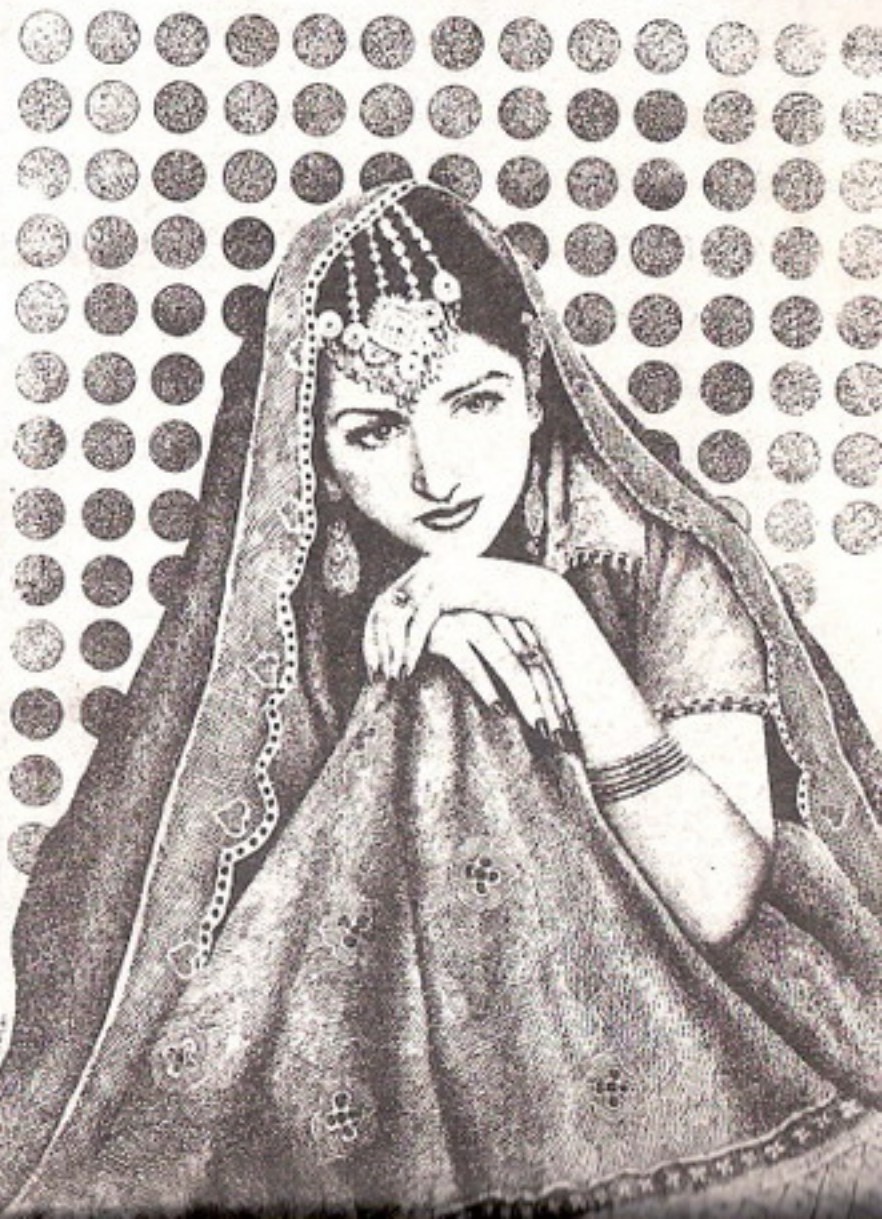
انہیں چاؤ سے کھولا کرتی۔
"جنید بھائی! بس.... بس کیجیے.... آپی کی گھوریاں تیز تر ہوتی رہی ہیں۔ یہ ان کی طرف سے وارننگ ہے۔" تجلی نے خبردار کیا۔
"اب میں گھوری پروف ہو چکا ہوں‘ مجھ پہ ان تیروں کے تمام وار بے کار جاتے ہیں۔"
"یوں کہیے آپ ڈھیٹ ہو چکے ہیں۔" باسط نے اندر داخل ہوتے ہی بحث میں حصہ لیا۔
"یہ بات نہیں میرے بھیا...." طوبیٰ نے پہلو میں لیٹے دو سالہ سمی کو کشن کا سہارا دیا اور براہِ راست میدان میں اترنے کی تیاری کی۔ "بات اصل میں یہ ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔"
"چچا جان....!" جنید نے سہم جانے کی بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے باہر کی طرف چھلانگ لگائی۔ طوبیٰ نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگائی۔ تجلی اور باسط دونوں کے حق میں نعرے بازی کرتے ہوئے پیچھے نکلے۔ ہنستی ہوئی اذکی کی کھلکھلاہٹوں کو اس وقت اچانک بریک لگ گئے جب ایک سرد ہاتھ کی مضبوط گرفت نے اس کی کلائی کو جھٹکا دیا۔ اس نے بے حد حیرانی اور الجھن کے ساتھ شوہر کے بگڑے تیور دیکھے۔
"گھر چلنا ہے یا نہیں؟" اس کے لمس کی ٹھنڈک لہجے تک میں اتری ہوئی تھی۔
"چلنا کیوں نہیں.... بس ذرا...."
"اب اور نہیں رک سکتا میں۔ سر درد سے پھٹ رہا ہے میرا فضول کے قہقہوں اور حجت بازی سے۔ مجھے پتا ہوتا تمہارے بہن بھائی اس قدر ہنگامہ پرور مزاج رکھتے ہیں تو پہلے ہی معذرت کر لیتا آنے سے۔"
باہر سے "بچاؤ‘ بچاؤ" کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ اشعب کی آواز بھی خاصی بلند تھی‘ اذکی کو خدشہ محسوس ہوا کہیں کوئی اس کے کلمات نہ سن لے اس لیے مزید بحث کرنے کے بجائے خاموشی سے سر ہلا کے امی ابو سے اجازت لینے ان کے کمرے میں چلی گئی۔

لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک فریق کی خاموشی بھی بحث کو ختم کرنے میں مددگار ثابت نہیں ہوتی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا۔ اشعب جو سسرال سے رخصت لیتے ہوئے مسلسل انگلیوں سے کنپٹی سہلا کے اپنے سر درد کی شدت ظاہر کر رہا تھا‘ سارے راستے اذکی کے گھرانے کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے نہ تھکا۔ وہ برا لگنے کے باوجود چپ ہی رہی۔ بالکل ویسے ہی جیسے ولیمے والے روز اس کے منہ سے اپنی بہنوں اور کزنز کے لیے "دلیجز" اور "ڈھیٹ" جیسے خطابات سن کر ضبط کر کے رہ گئی تھی۔ وہ دودھ پلائی کی رسم پہ سب تو ہوتا ہی ہے.... چھیڑ چھاڑ.... ہنسی مذاق.... خود اشعب کے دوست کون سا کم تھے بلکہ ان کی بے سروپا باتوں پہ تڑکے ہی تو طوبیٰ آپی نے تین کرارے جواب دیے تھے جو اشعب کی بہنوں کو برے لگ گئے تھے اور وہ فوراً اسٹیج پہ چڑھ آئی تھیں۔
"کیوں معاملے کو طول دے رہے ہو‘ دینے والے فارغ کرو۔" ان کے اس درجہ اکتائے ہوئے لہجے میں کہے گئے اس جملے نے سب ہی لڑکیوں کو مشتعل کر دیا۔
"ارے واہ.... ہم کوئی فقیر ہیں.... کیسے کہہ دیا دینے والے فارغ کرو۔"
وہ سب ایک ایک کر کے اسٹیج سے اتر گئیں۔ انہوں نے نیگ کی رقم لینے سے صاف انکار کر دیا تو اشعب کی امی آگے بڑھیں۔ انہیں فکر تھی کہ لوگ کیا کہیں گے وہ ایسا گیا گزرا ہے چند ہزار بھی سالیوں کو نہ دے سکا۔ ان کے تحقیق لہجے سے متاثر ہو کر طوبیٰ مارے باندھے اسٹیج پہ چڑھ گئی۔ شاہد بھیا نے بھائی کی جیب سے ہزار ہزار کے چند نوٹ نکال کر آگے بڑھائے۔ اس نے دو انگلیوں کی مدد سے ایک نوٹ تھاما اور شکریہ کہہ کر اسٹیج سے اتر گئی۔
اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی لیکن اگلے ہی دن اذکی کو احساس ہوا کہ اس کا ہم سفر کہلانے والا یہ شخص خلافِ مزاج رونما ہونے والی کسی بات کو اتنی آسانی سے بھلا دینے والا نہیں اور آج پندرہ منٹ کی ڈرائیو

[illegible] زہر اس نکل دینے کے بعد جب وہ نئے [illegible] شروع ہو گیا تو وہ جھنجلا اٹھی۔ گھر آنے [illegible] کپڑے تبدیل کرتے‘ وہ مسہری پہ لائی میں [illegible] اور ہم دوارزی وی کے چینل تبدیل [illegible] بھی۔ ظاہر ہے ٹل گئی۔ بھاری [illegible] اور گلوبند‘ طلائی کنگن‘ ہائی ہیل کی سینڈل [illegible] سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ [illegible] بھی نہیں کر پائی تھی کہ اشعب کا [illegible] شروع ہو گیا۔
"[illegible] آپی تو خاصے معقول نظر آتے ہیں۔ تم [illegible] بھلا جانے کس پہ چلے گئے۔"
"[illegible] برائی نظر آتی آپ کو میرے بہن بھائیوں [illegible]"
[illegible] اچھا ہوا تو وہ اپنی خاموشی کا دور مزید بڑھاتی [illegible] دل کر سونے کی کوشش کرتی۔ اس کا اتنا پوچھ [illegible] ہو گیا۔ اب تو اشعب باقاعدہ سنبھل کے [illegible] جیسے اس کی بیوی نے اس سے کوئی اہم نوعیت [illegible] سوال پوچھ لیا ہو اور اب اسے تمام تر تفصیلات [illegible] بتاتے ہوئے اپنے بیان کی تشریح کرنی ہو۔
"[illegible] کسی آئے گئے کا لحاظ کیے فضول کی جملے بازی‘ [illegible] اور حد سے تجاوز کرتی بے تکلفی کو تم برائی [illegible] نہیں؟ حیرت ہے؟ دیکھنے میں تو بڑی سلجھی [illegible] نظر آتی ہو۔" وہ کہہ نہ سکی کہ دیکھنے میں تو آپ [illegible]
"[illegible] شکر ہے تم کم از کم دیکھنے میں تو معقول نظر آتی ہو اور وہ تمہاری بڑی ہمشیرہ۔ ان محترمہ کو نہ بولنے کا [illegible] نہ اٹھنے بیٹھنے کا قرینہ اور سونے پہ سہاگہ‘ [illegible] ملاحظہ فرمایئے‘ کہیں سے بھی معزز قسم کی شادی [illegible] خاتون نہیں نظر آتیں۔" اپنی پیاری آپی کے [illegible] میں اتنی نازیبا بات پہ سن کر وہ تڑپ گئی۔ [illegible] آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
"ایک تو پہلے ہی اتنے چھوٹے بال ہیں‘ اوپر سے پرم [illegible] کروا کے عجیب ہی چیز لگتی ہیں۔ لیکن خاک ہی فیشن [illegible] کرنا ہے چاہے اونگا بونگا ہی ہو۔"

"انہوں نے بال پرم نہیں کروائے۔ قدرتی گھنگھریالے ہیں۔ وہ تو خود تنگ ہیں اپنے بالوں سے۔"
"اور قمیصوں کی آستینیں بھی کیا قدرتی طور پہ کٹی ہوئی ہیں۔ اس قدر پھنسا ہوا لباس اور وہ بھی بغیر آستین کے۔"
اذکی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر بے بسی سے لب کچلنے لگی۔ وہ وضاحت کر بھی دیتی تو وہ کون سا یقین کر لیتا۔ اسے پہلی ملاقات میں ہی یہ تیز طرار‘ چھا جانے والی شخصیت کی حامل سالی پسند نہ آئی تھی اور اس کا شوہر.... وہ بھی.... بلکہ وہ تو اس سے بڑھ کے فضول عادات کا مالک تھا۔ یہ اس کی رائے تھی جس کا اظہار وہ برملا بیوی سے کر رہا تھا۔
"اب مجھے دیکھو‘ میرا بھی تو طوبیٰ اور تجلی سے وہی رشتہ ہے جو جنید کا تم سے لیکن کیا تم نے مجھے دیکھا ان کے ساتھ اس بے تکلفی سے دھول دھپا کرتے ہوئے جیسا کہ وہ بدتہذیب شخص تمہارے ساتھ کر رہا تھا۔"
"نہیں.... جی۔" وہ سراسیمہ ہو گئی اس بے بنیاد الزام پہ۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ جنید بھائی نے کب میرے ساتھ دھول دھپا کیا؟"
"اور وہ جو ہاتھ پہ ہاتھ مار کے قہقہے لگائے جا رہے تھے۔" وہ افسوس بھرے انداز میں اس شخص کو دیکھنے لگی جو رات کے ڈھائی بجے یہ عجیب سا حساب کتاب کھولے بیٹھا تھا۔
"اگر آپ کو میری جنید بھائی سے بے تکلفی پسند نہیں تو ٹھیک ہے میں آئندہ احتیاط کروں گی۔ دراصل وہ صرف میرے منہ بولے ہی نہیں فرسٹ کزن بھی ہیں‘ اس لیے ہمارے درمیان یہ ہنسی مذاق چلتا رہتا ہے پھر بھی آپ کو پسند نہیں تو کوئی بات نہیں۔"
اپنے تئیں اس نے بڑی تابعداری کا ثبوت دیا تھا اس امید کے ساتھ کہ اب تو صاحب کے ماتھے کے بل دور ہو ہی جائیں گے۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ان اعتراضات کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا چلا جائے گا۔

♥ ♡ ♡ ♥
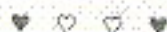
پانچ بہن بھائیوں میں ازکی کا نمبر تیسرا تھا۔ یاسر بھیا کے بعد طوبیٰ آپی بڑی تھیں اس سے اور باسط کے بعد تجی دونوں اس سے چھوٹے تھے۔ ان کا گھرانہ خاصا خوش باش سا گھرانہ تھا۔ طوبیٰ آپی اور باسط دونوں کو بذلہ سنجی ابو کی جانب سے ملی تھی۔ خود وہ اور تجی بھی خوش مزاج ہی تھیں' یاسر بھیا البتہ بہن بھائیوں میں بڑے ہونے کی وجہ سے کچھ سنجیدہ مزاج تھے لیکن سڑیل بہرحال نہیں تھے۔ خیر ان کی طرف سے جو کسر رہتی تھی وہ ایمن بھابھی نے پوری کردی۔ ادھر ادھر چٹکلے چھوڑتی' قہقہے بکھیرتی ان کی دلہن گھر میں ایک خوشگوار اضافہ تھیں اور پھر جنید بھائی' بڑے تایا کے بیٹے' سب لوگ کہتے تھے وہ اپنے چچا (ازکی کے والد) کی کاپی ہیں۔ ان کا رجحان ہمیشہ سے چچا کی فیملی کی طرف رہا یہاں تک کہ چچا کی سب سے بڑی صاحبزادی کے حقوق اپنے نام کروا کے چھوڑے۔ دونوں کے درمیان ہر وقت جاری نوک جھونک سے سب ہی لطف اندوز ہوتے۔ وہ اسے بکھرے بالوں اور فربہی مائل سراپے کی بنا پہ قوالوں اور ریسلرز کے نام لے کے چڑاتے اور وہ جنید کی چھوٹی چھوٹی چالاک تیز آنکھوں اور باریک سی مونچھوں کی وجہ سے "پرنس آف خیال" کہہ کے چھیڑتی۔

بھابھی دونوں کی تکرار بڑھانے میں پیش پیش رہتیں۔ وہ طوبیٰ پہ جملہ اچھالتا تو بھی ان ہی کے قہقہے سب سے بلند ہوتے "طوبیٰ ہو لیا" جنید پہ کوئی فقرہ چست کرتی تو بھی داد دینے والوں میں بھابھی آگے ہوتیں۔ باسط پہ سارے داؤ پیچ ان ہی پہ آزماتا۔ امی اور بھیا لبوں پہ مسکراہٹ لیے ہنستے کھیلتے گھرانے کو طمانیت سے دیکھتے اور اسی قہقہوں کھلکھلاہٹوں کی فضا سے نکل کر یکدم وہ سسرال کے جامد سناٹے میں آئی تو دنوں میں گھبرا گئی۔ اس سناٹے میں اگر کوئی آواز گونجتی بھی تھی تو وہ اشعب کی تھی اور اس کی باتیں اس قدر جلی کٹی ہوتیں کہ ازکی کو دن بھر چھایا سناٹا غنیمت لگتا۔ ہفتے دس دن بعد شانہ بجیا آتیں تو بجائے رونق کے گھر میں اور ہی عجیب طرح کی وحشت سی پھیلا جاتیں۔

یہ بس دو ہی بہن بھائی تھے۔ بجیا اشعب سے ڈھائی سال بڑی تھیں لیکن ان کی شادی کو بارہ برس گزر چکے تھے اور چار بچے بھی تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ خاصی کم عمری میں ہی انہیں بیاہ دیا گیا تھا۔ اشعب کے والد کو گزرے آٹھ سال ہو چکے تھے۔ ساس کا رویہ اسے نارمل ہی لگتا۔ دیگر ساسوں کی طرح انہیں اس کے سونے جاگنے کے اوقات یا گھومنے پھرنے کے پروگراموں پہ کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ یہ الگ بات کہ گھومنے پھرنے کی نوبت کم ہی آیا کرتی۔ اشعب سارا دن آفس گزارنے کے بعد شام کو گھر سے نکلنا بھی گوارا نہ کرتا تھا اور چھٹی کے دن کو بھی بھرپور عیاشی کے ساتھ منانے کا عادی تھا۔

بارہ بجے سو کر اٹھتا' بھاری ناشتے کے بعد کچھ دیر ٹی وی دیکھا جاتا' چند ضروری فون کرنے کے بعد یا دوستوں کی طرف نکل جاتا یا دوست خود ہی آ جاتے۔ ہاں اگر کسی چھٹی والے دن بجیا کی آمد ہوتی تو اس کی نیند کا دورانیہ بھی کم ہو جاتا اور بھانجے بھانجیوں کو لے کے آؤٹنگ پہ نکلنے پہ بھی اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ ازکی کو اس کے بہن یا اس کے بچوں کے لاڈ اٹھانے پہ اعتراض نہ ہوتا اگر وہ بیاہتا بیوی کے بھی روز چاؤ کر لیتا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ شادی کے بعد میکے سے ملنے والی دعوتوں کو اس نے پس پشت ڈال کر شوہر کی خواہش کے مطابق اس کے دوستوں اور فیملی کی طرف سے ملنے والی دعوتوں کو ہی اولیت دی۔ فیملی کی طرف سے صرف اشعب کے چچا اور ماموں نے مدعو کیا تھا حتیٰ کہ شانہ بجیا نے "تکلفاً" بھی رسمی دعوت کا ذکر نہیں کیا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی یہ اور بات کہ ولیمے کے دو روز بعد بھی اشعب اسے بجیا کو "سلام" کرانے لے گیا تھا اور پہلی بار کے جانے میں بھی بجیا کی روکھی پھیکی میزبانی اور خشک رویے نے اس کا دل مکدر کر دیا۔

اس کا خیال تھا میکے کی طرف سے ہونے والی پرتکلف دعوتوں کے ذریعے وہ اشعب کو باور کرا سکے گی

ازکی کی اپنے خاندان والوں میں کیا قدر و قیمت ہے ان کی بہو کی طرف ہونے والی دعوت میں ہی ہو گئی کہ اس نے آئندہ اس کے میکے کی تقریب میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔

"بد تہذیبی اور ناشائستگی کسی قیمت پہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے گھر والوں کے یہی اطوار ہیں تو انہیں داماد کے لحاظ میں تو کچھ تمیز کا مظاہرہ کرنا تھا۔ چاہے جھوٹ موٹ کا ہی سہی' لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے سسرالیوں میں لحاظ رکھ رکھاؤ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ ... صاحب کے عادی ہیں جبکہ میں مختلف مزاج کا واقع ہوا ہوں۔"

اس نے کتنی کوشش کی کہ وہ اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنی امی کے گھر تک تو اس کے ساتھ چلا جائے لیکن ... والوں میاں بیوی سے تو اسے خاص بیر تھا۔ ہر بار ... نے مصروفیت اور چھٹی والے دن آرام کا بہانہ ... ایسے میں جب وہ آرام سب بھول کے اپنے ... والوں کو گاڑی بھر کے میکڈونلڈ اور سندباد لے جاتا تو اس کے دل میں ملال تو بھرتا ہی تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کل ہفتہ تھا اور بجیا نے اپنی آمد کی پیشگی اطلاع ... کو ہی دے دی تھی۔ ان کا ارادہ یہ ویک اینڈ یہیں گزارنے کا تھا اور ازکی کا کوفت کے مارے برا حال تھا' ... جانتی تھی کہ بجیا اگر رات گزارنے کے ارادے سے آئیں تو حامد بھائی صاحب لازماً "ساتھ ہوں گے۔ یوں ... اکیلے آتیں تب بھی گھر کی فضا میں عجیب سی ... اور سوگواری چھا جاتی۔ ان کی تنی ہوئی بھویں اور خشک لہجے میں کی گئی تنقیدی باتیں سن سن کر گھبراہٹ سی ہونے لگتی۔

ان کا اپنا موڈ تو ہمہ وقت خراب ہی رہتا۔ امی کے بیڈ روم کے سرگوشیوں میں نجانے کیا کہتی رہتیں کہ ان کے چہرے سے بھی افسردگی چھلکنے لگتی۔ ویسے تو امی کا شروع دن سے اس کے ساتھ تقریباً "دوستانہ ہی ... لیکن بجیا کی موجودگی میں وہ بھی کچھ لیا دیا انداز ہی

اپنائے رکھتیں۔ اس تمام صورت حال کے پیش نظر ظاہر ہے کہ ازکی کو ان کی آمد کی اطلاع سن کر کوئی خاص خوشی نہیں ہوتی تھی لیکن حامد بھائی صاحب کے ہمراہ آنے میں تو بجیا انتہائی ناقابل برداشت ہو جاتیں۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ سارا گھرانہ ان کے شوہر کے آگے پیچھے پھرے اور تو اور شوہر کے سامنے ان کے اور بچوں کے بھی زیادہ سے زیادہ ناز اٹھائے جائیں۔ امی اور اشعب تو داماد کے حسب شان بلکہ ضرورت سے کہیں بڑھ کے پروٹوکول دینے میں پیش پیش رہتے تھے لیکن ازکی کی جان جاتی تھی بناوٹ کا مظاہرہ کرنے سے...... اگرچہ وہ خاصی اچھی میزبان تھی اور کام کاج کی بھی چور نہ تھی لیکن زبردستی کرائی گئی عزت اور دھونس سے لی گئی اہمیت کے خلاف تھی۔ اسے بجیا کا اس گھر پہ اپنے شوہر کا حق جتانا برا نہ لگتا تھا۔ وہ ان کی حیثیت کو تو تسلیم کرتی تھی، لیکن اجارہ داری قبول کرنے سے انکاری تھی۔ یہ الگ بات کہ بیزاری کا یہ اظہار فی الحال اس کی ذات تک ہی محدود تھا۔ سو لاکھ ان کے آنے پہ جبیں پہ شکن ہوتی، جلتی کڑھتی لیکن کرتی وہی جو اشعب اور امی اس سے چاہتے تھے۔

اس وقت بھی وہ ناشتے کے بعد سے ہی کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ بجیا کو بچوں کو چھٹی کے بعد اسکول سے سیدھا یہیں لے کر آنا تھا جبکہ بھائی صاحب آفس کے بعد شام کو تشریف لاتے۔

آٹا گوندھ کر فریج میں رکھنے کے بعد اس نے چولہے پہ رکھی دیگچیوں کی طرف توجہ کی جب امی جان اندر داخل ہوئیں۔

"کیا پکا رہی ہو ازکی؟" عموماً وہ یہ سوال کم ہی کیا کرتیں۔ جب سے انہوں نے ازکی کو کچن کا چارج مکمل طور پہ سونپ دیا تھا پکانے کا معاملہ بھی اس پہ ہی چھوڑ رکھا تھا، لیکن آج معاملہ اور تھا بیٹی کو آنا ہو تو وہ اپنی نگرانی اور مشورے سے کھانا پکواتیں۔ اب تو چھ ماہ میں ہی ازکی کو بھی ازبر ہو گیا تھا کہ بجیا کو سبزیاں مرغوب ہیں (اور وہ بھی مشکل ترین طریقے سے بنی ہوئی) بچے چاول اور دال وغیرہ ہی شوق سے کھاتے ہیں سبزیوں میں سوائے آلو کے اور انہیں کچھ پسند نہیں، گوشت بھی نہیں کھاتے خصوصاً سالن میں، ہاں فرائی چکن، تکے کباب وغیرہ کھا لیتے ہیں جبکہ حامد بھائی صاحب پکے گوشت خور ہیں ان کے لیے اسپیشل پرتکلف کھانے پکتے۔

ازکی انہیں بتانے لگی۔

"بجیا دال بھرے کھٹے کریلے بہت پسند کرتی ہیں، ان کے لیے وہی بنا رہی ہوں، بچوں کے لیے ماش کی کھڑی دال اور دہی بڑے، گھر میں چاٹ بھی چڑھا رکھی ہے۔ آفس بھی تو کھانا جاتا ہے اور آپ کو تو پتا ہے اشعب خالی دال سبزی بھجوانے پہ ناراض ہوتے ہیں۔" آفس سے ملازم ہر روز لنچ ٹائم میں آ کر کھانا لینے آتا تھا۔

"اور کچھ پکا ہو تو بتا دیجیے؟" اس نے چھلے ہوئے کریلوں پہ نمک ملتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میرا خیال ہے ٹھیک ہے۔ آخر رات کو بھی تو پکنا ہے، حامد ہوں گے اور کل دوپہر بھی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ایسا کرو آج رات بریانی ہی پکا لو، کباب کے ساتھ بھی چل جائے گی اور یہ دہی بڑے بھی رات کے لیے ہی رہنے دو۔ کل دوپہر کو پلاؤ کے ساتھ قورمہ یا چکن کڑاہی میں سے کچھ بھی بنا لینا۔"

"جی...... ٹھیک ہے۔" وہ جو پکوڑیوں کا پیکٹ کھول کر بھگونے لگی تھی واپس ایئر ٹائٹ جار میں بند کرنے لگی۔

"اب دیکھو نا پورا مہینہ پڑا ہے آگے، دیکھ بھال کے ہی پکانا پڑتا ہے۔ ایک ہی بچہ میرا کمانے والا سب کچھ ہانڈی روٹی میں ہی تو نہیں جھونک سکتی۔"

ازکی متفق ضرور تھی لیکن اس نے اپنا تبصرہ محفوظ رکھا اور چپ چاپ چاٹ میں ڈالنے کے لیے دہی میں مسالے پھینٹنے لگی۔

"لاؤ مجھے دو میں کر دوں، اکیلی کب تک لگی رہو گی اتنی گرمی میں۔"

"کوئی بات نہیں امی، کام ہی کتنا ہے، چاٹ بھی بن گئی...... بس یہ دہی ڈال کر بھونتا ہے اور بس...... آپ جا کر آرام کیجیے۔"

"صبح سے آرام ہی تو کر رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں ماشاءاللہ بڑی پھرتیلی ہو تبھی نہیں تھکنے دیتیں اور سب کام نمٹا لیتی ہو پھر بھی آخر ہو تو انسان، تھکن تو ہو جاتی ہے۔ اب مجھے دیکھو لیٹے لیٹے کمر دکھ گئی ہے، تم صبح سے کام میں جتی ہو۔" اس کی تعریف کرنے میں وہ ہمیشہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ ازکی بے ساختہ محبت سے مسکرا دی۔

اس نے ابلی دال نتھار کے ان کے حوالے کی اور وہ توں سالن دم پہ لگا کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ نہانے کے بعد گیلے بال سکھاتی وہ کچن میں آئی تو امی کڑاہی میں تیل گرم کر کے کریلے تل رہی تھیں۔ اسے شرمندگی ہوئی۔ "ارے امی! آپ کیوں اس قدر گرمی میں چولہے کے آگے کھڑی ہو گئیں، میں آ رہی تھی۔" اس نے آگے بڑھ کے چمچہ ان کے ہاتھ سے لینا چاہا۔

"میں جانتی ہوں تم آ رہی تھیں، تمہیں بھلا کہاں ہوتا تھا۔" انہوں نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پرے کیا۔ "فکر مت کرو، ایک آدھ ڈش بناؤں گی تو بھی تمہارے نمبر کم نہیں ہوں گے، سارا کریڈٹ تمہیں ہی جائے گا۔" ازکی نے حیرت سے ان کے چہرے کو دیکھا۔ وہاں نرم سی معصومیت اور شفقت کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ لہجے کی شگفتگی محسوس کر کے وہ ہلکی پھلکی ہو گئی...... لہجہ بھی کیا چیز ہے...... لفظوں کے معنی بدل دیتا ہے، جملے کی ساری روح تبدیل کر دیتا ہے...... یہی چند الفاظ اگر اشعب کے منہ سے نکلے ہوتے تو طنز کے زہر میں ڈوبے ہوتے۔

پورے گھرانے میں اگر کوئی ہلکی پھلکی سی شگفتہ بات بھی کبھار کر دیتا تھا تو وہ امی جان ہی تھیں۔ وہ سلاد تیار کر رہی تھی جب کال بیل کی آواز آئی۔ امی جان دوپٹے سے ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھتے ہوئے والہانہ تیزی سے لاؤنج کی طرف نکلیں۔

"بس یہ دو تین کریلے ہی کڑاہی میں رہ گئے ہیں، سرخ کر کے نکال لینا اور پھر سارے اکٹھے ہی دم دے دینا، ہرا مسالہ چھڑک کے۔" ان کی بے چینی ازکی خوب سمجھتی تھی۔ وہ بیٹی پہ ظاہر کرنا نہ چاہتی تھیں کہ وہ کچن میں کام کر رہی ہیں۔ لیکن ان کا جلدی جلدی کام چھوڑ کر باہر نکلنا بے کار گیا، دروازے پہ اشعب کا ملازم تھا جو آفس سے لنچ لینے آیا تھا اور ابھی وہ ہاٹ پاٹ میں کھانا ڈال کر باسکٹ میں رکھ ہی رہی تھی کہ زید اور بکر کے زور زور سے چلانے کی آواز آئی۔ اسے اپنے شانوں پہ کوئی بھاری بوجھ گرتا محسوس ہوا...... کتنے بدنصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے آس پاس موجود ہونے کا احساس ہی کسی کی طبیعت کو بوجھل کر دیتا ہو۔ سر جھٹک کر اس نے خود کو بشاش ظاہر کرنے کی کوشش کی اور سب سے ملنے باہر آ گئی۔

جس چیز کو امی اس پہ ظاہر نہ کرنا چاہتی تھیں وہ پہلا لقمہ لیتے ہی جان گئیں۔

"کریلے تو امی...... پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ آپ کے ہاتھ کا جادو ہے۔" ان کے چہرے پہ مسکراہٹ بڑی اجنبی سی لگتی تھی۔ ازکی رمشا کی پلیٹ میں کباب ڈالتے ڈالتے رک کر ان کی مسکراہٹ کی وجہ کھوجنے لگی۔

"بڑے عرصے بعد آپ کے ہاتھ کا کچھ کھایا ہے۔ ہے نا امی...... وہی ذائقہ...... وہی لذت...... وہی خوشبو...... واقعی ماں کے ہاتھ میں کچھ تو ایسا ہے جو ہر لقمے کے ساتھ روح میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔"

اور امی جان جو ان کے پہلے فقرے پہ ہی تردید کرنے جا رہی تھیں۔ باقی پوری بات سن کر مسکرا کر رہ گئیں اور یہ مسکراہٹ اس بات کی تصدیق تھی کہ دال بھرے کھٹے کریلے واقعی انہوں نے بنائے ہیں۔ ادھر امی کے چہرے پہ مسرور سی مسکراہٹ آئی ادھر بجیا کے چہرے سے مسکان غائب۔

ایک ابرو اچکا کے انہوں نے بڑی تفصیلی نگاہ ڈائننگ ٹیبل پہ دوڑائی۔ شامی کباب، دہی بھلے، مسالے دار چاٹ، ماش کی دھلی دال، پھلکے اور سلاد...... بس۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھلے اور پھر

نجانے کیا سوچ کر بند ہو گئے۔
لڑکی بلا ٹل جانے کا شکر ادا کرتی ہوئی، واپس کچن کی طرف پلٹ گئی۔ گرما گرم پھلکے لے کر وہ لوٹی تو وہ پسینے سے شرابور ہو رہی تھی۔ اس کی چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہہ رہا تھا کلان کی قمیص کمر سے بالکل چپکی ہوئی تھی۔ دسترخوان میں پھلکے لپیٹنے کے بعد وہ پلٹی تو امی نے پوچھ لیا۔
"کتنی روٹیاں باقی ہیں؟"
"بس دو تین اور ڈال لوں۔"
"ہاں جلدی سے لے آؤ، حشر ہو گیا تمہارا تو پسینے سے۔" لڑکی ان کی بات پہ گھبرا کے بھیا کو دیکھنے لگی جن کے حلق میں نوالہ پھنسنے لگا تھا امی کی بہو کے لیے فکرمندی دیکھ کر۔ وہ بیٹی کے تاثرات سے بے خبر امی ہی کہتی رہیں۔
"میں نے تو سوچا تھا کہ آفس سے جو جیرا ای کیا ہے اسی سے بازار کے نان منگوا لوں پھر خیال آیا کہ تمہارے بچے تازہ روٹی کھاتے ہیں وہ بھی گھر کی..... اس لیے رہنے دیا۔"
(اف امی کو کیوں یاد نہیں رہتا کہ وہ اس وقت کس سے مخاطب ہیں) وہ جز بز ہوتی پھر سے توے کے آگے جا کھڑی ہوئی جہاں اس وقت بھیا کی آواز بخوبی آ رہی تھی۔
"میرے بچوں کی فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی آپ تو اپنی لاڈلی بہو کا خیال رکھیے۔ ان کے لیے روٹی میں خود ہی ڈال لیتی بلکہ یہاں میرے آنے کی بھی بھلا کیا تک بنتی تھی۔ پورا ہفتہ دن رات چولہے کے آگے کھڑی رہتی ہوں، یہاں آ کے بھی خود پکا کر کھانا ہے تو گھر میں ہی ٹھیک تھا۔" وہ بغیر دیکھے بتا سکتی تھی کہ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ واپس رکھ کر پلیٹ پرے دھکیل دی ہو گی۔
"کیسی بات کر رہی ہو شبانہ! میں تو..... وہ لڑکی..... اس بے چاری نے کب انکار....." بھیا کی ناراضی کے بعد امی کے ہاتھ پیر یونہی پھول جایا کرتے۔ انہیں وضاحت دینے کے لیے بھی ڈھنگ کے الفاظ نہ مل پاتے۔
"کہاں کی بے چاری؟ کیا بے چارگی نظر آتی ہے آپ کو اس کے چہرے پہ؟ سارا دن گھر میں آپ دو ہوتی ہیں حد سے حد تین۔ تمہیں تو چار روٹیاں ڈال لیتی ہوں گی اتنی تو رات کو بچتی ہیں ساتھ میں چاول ہوتے ہیں۔ اگر کبھی چار مہمان آ جائیں تو بازار سے روٹی منگوانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے دیکھیں ساری گرمی دن میں دو وقت درجنوں روٹیاں پکاتی ہوں۔ ساس میری کبھی پلنگ سے پاؤں نیچے نہیں دھرتیں۔ مدیحہ نے بھی شادی سے پہلے کچن میں جھانک کر نہیں دیکھا تھا اب بیاہی بیٹی ہونے کے بعد وہ کہاں میکے میں تنکا توڑے گی۔ میں ایک ہفتے صبح سے شام تک کے لیے آتی ہوں اور مہینے ڈیڑھ مہینہ بعد جبکہ میری چاروں نندوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت موجود ہوتی ہے بال بچوں سمیت۔ ہم تو مہمانداری میں نہیں تھکتے نہ ہی کوئی ہاتھ بٹانے والا ہوتا ہے۔ آپ نے تو عادتیں ہی خراب کی ہوئی ہیں اپنی بہو کی۔"
"میں نے بھلا کیا کر ڈالا ہے شبانہ! اچھا بھی بس..... چلو اب کھانا کھاؤ فضول میں خون جلاتی ہو اپنا۔"
"میرا تو کام ہی یہی ہے امی۔" ان کا لہجہ پست ہو گیا پھر رقت آمیز۔
"سارا دن اپنے گھر میں بھی خون جلا جلا کر کڑھتی ہوں، یہاں سکون کے لیے آؤ تو اور دماغ خراب ہو جاتا ہے آپ کی حالت دیکھ کر۔"
"مجھے کیا ہوا؟ اچھی بھلی ہوں۔ تم میری فکر کس لیے کرتی ہو۔"
"بیٹی ہوں آپ کی۔ مجھے فکر نہ ہو گی تو کسے ہو گی؟ یہ وہ کھانے پکتے تھے پھر بھی آپ برابر کچن میں کام کرتی رہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ لو بلڈ پریشر کی مریض ہیں اور زیادہ گرمی میں خدانخواستہ چکرا کر گر بھی سکتی ہیں۔"
"نانی! گرم روٹی۔" بکر نے ماں اور نانی کی بحث سے بے فکر روٹی کے لیے آواز لگائی۔ لڑکی نے تینوں روٹیاں اٹھائیں اور مرے مرے قدموں کے ساتھ کچن سے نکلی۔ اگرچہ بھیا کی آواز بخوبی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی پھر بھی وہ اس وقت ان کا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی..... لیکن کب تک..... آخر تو اسے نکلنا ہی تھا۔ اسے آتا دیکھ کر بھیا خاموش تو ہو گئیں لیکن کھانے کی طرف دوبارہ ہاتھ نہ بڑھایا۔ امی کے بار بار کے اصرار کے باوجود وہ زور سے کرسی پیچھے کی طرف دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
ٹھنڈے پانی کا گلاس دوسری بار بھر کے لبوں سے لگاتے ہوئے لڑکی کی نظر ان سے ملی، سرخ روئی روئی آنکھوں سے جیسے شرارے لپک کر اس کے پورے وجود سے لپٹ گئے۔ پانی کا بڑا سا گھونٹ برف کی سخت ڈلی کی طرح اس کے گلے میں پھنس گیا۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ وہ دانستہ امی جان کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی مبادا وہ اسے بھیا کو منانے کا یا کھانے پر اصرار کرنے کا اشارہ کر دیں۔ وہ ان کا کما حقہ بھی کر سکتی تھی۔ اسی لیے انجان بنی بیٹھی رہی، اس کی بے زاری پہ بھیا پیر پٹختی اندر چلی گئیں۔
اب امی کس لیے بیٹھی رہتیں وہ بھی چلی گئیں اب اکیلی ہی کھانا کھانے بیٹھ جاتی تو بات مزید بگڑ جاتی، اٹھ کے چلی جاتی تو یہ الزام کہ بچوں کو کھانا ڈھنگ سے کھلائے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
برتن سمیٹے ٹیبل صاف کر کے بچوں کو کیبل ٹی وی کارٹون نیٹ ورک سیٹ کر کے اور امی کے کمرے میں چائے بھیجنے کے بعد جب وہ اپنے بیڈروم میں آئی تو بھوک کے شدید احساس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ برداشت کرتے ہوئے وہ ٹی وی پہ لگی بے ہودہ موویز کے ذریعے خود کو بہلانے لگی۔ اگر وہ ذرا جھکا کر محفل سے واک آؤٹ کرتی۔ بھیا کو ایک لمحے چند میٹھی باتیں کر کے اصرار کے ساتھ مجبور کرتی تو شاید سب ٹھیک ہو جاتا۔ امی کے پیچھے کمرے میں نہ جاتیں، وہ بھی کھانا کھا لیتیں۔ اشعب کے آنے پر بھیا کا شکایت کا ڈر بھی نہ رہتا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔
عصر کے بعد شام کی چائے بنانے اور رات کے کھانے کی تیاری کی غرض سے کچن کا دروازہ کھولا تو سنک میں پڑے برتن منہ چڑا چڑا کر اعلان کر رہے تھے کہ امی جان نے بیٹی کو منا کر کھانا کھانے پر آمادہ کر ہی لیا تھا۔ ٹھیک ہے وہ جانتی تھیں کہ لڑکی نے بھی کھانا نہیں کھایا لیکن اگر وہ اسے بھی بلوا لیتیں تو نجانے کتنے گھنٹے کی محنت ضائع جاتی، ساری منت سماجت بے کار جاتی۔ بیٹی کے سامنے بہو سے لگاوٹ کا مظاہرہ پھر سے ماحول میں تلخی گھول جاتا اور اس تلخی سے بچنے کی خاطر انہوں نے تھوڑی سی ڈنڈی مار بھی دی تو کیا ہوا؟

♥ ♡ ♡ ♥

وہ اپنی دلی کیفیت سمجھنے سے خود بھی قاصر تھی۔ بلکہ اپنی بے زاری محسوس کر کے وہ تو ایک دم ششدر رہ گئی تھی۔
"کیا واقعی نکاح کے چند بول اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ یہ ایک رشتہ تمام رشتوں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ ایک شخص کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپ کو باقی تمام رشتے پس پشت بھی ڈالنے پڑیں تو آپ دریغ نہیں کرتے۔" وہ سوچتی جاتی اور الجھتی جاتی۔ اشعب سے اس کی شادی ٹوٹل ارینج میرج تھی۔ منگنی اور شادی کے درمیان مختصر سے دورانیے میں بھی ان کے مابین کوئی شریر سا رابطہ نہ ہوا تھا۔ اس کے دل و دماغ بالکل خالی سلیٹ کی مانند تھے۔ اشعب میں بظاہر کوئی خامی نہ تھی۔ نہ اس میں نہ اس کے گھرانے میں۔ مختصر سی فیملی..... ایک شادی شدہ بہن..... نرم خو سا س..... وہ منگنی کے بعد ان سرسری معلومات اور اشعب کی تصویر دیکھ کر بھی مطمئن تھی، لیکن سارا اطمینان رفتہ رفتہ غارت ہونے لگا۔ جب شوہر صاحب کی فطرت دن بہ دن کھل کر سامنے آنے لگی۔ وہ حد درجہ نکتہ چیں شخص تھا۔ اس کو لڑکی کی ہر بات پہ اعتراض تو ہوتا ہی تھا لیکن لڑکی کو جو بات کھلتی وہ یہ تھی کہ وہ اپنی نکتہ چینی کا دائرہ وسیع کر کے اس کی ساری فیملی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا تھا۔
اس کے بہن بھائیوں کی ناپسندیدہ عادات کے بخیے ادھیڑتے ہوئے اسے رتی برابر پروا نہ ہوتی کہ اس کی

بیوی کے دل میں بھی اپنی بہن کے لیے وہی احساسات ہیں جو وہ اپنی بہن کے لیے رکھتا ہے۔ خود اس کا اپنا حال تو یہ تھا کہ بجیا کے ماتھے پہ آیا ایک بل اسے آگ بگولہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ آزی کی زبانی بجیا کے کسی تکلیف دہ رویے کی ہلکی سی شکایت بھی سننے پہ وہ قطعی تیار نہ تھا۔

"تم کچھ بھی کہہ لو ان ہتھکنڈوں سے تم میرے دل سے بجیا کی جگہ ختم نہیں کر سکتیں' سمجھیں۔ میں ہر گز ماننے پہ تیار نہیں کہ چند گھنٹے یہاں گزارنے والی میری بہن تمہارے خلاف کچھ کر سکتی ہے۔ وہ بے چاری تو اب تمہارے رحم و کرم پہ ہے۔ امی کی غلطی۔۔۔ کہ سارا گھر بغیر سوچے سمجھے تمہارے حوالے کر دیا پھر بھی تمہارے گلے ختم نہیں ہوتے۔"

وہ پتے سے ہی تو اکھڑ گیا تھا جب اس نے بجیا کے رویے کی طرف اس کی توجہ دلائی تھی۔ اس بار تو انہوں نے آزی کو زچ کروانے میں کوئی کسر بھی تو نہ چھوڑی تھی۔ امی کے کہنے پہ ہی اس نے بریانی کے ساتھ چپلی کباب' دہی بڑے بنائے۔ بھائی صاحب کھانے کی ٹیبل پہ بیٹھتے ہی منہ بنانے لگے۔ امی جان نے بریانی کی ڈش آگے بڑھائی تو کہنے لگے۔

"نہیں آنٹی! دوپہر کو بھی بریانی ہی کھائی تھی۔۔۔ شبانہ تم نے بتایا نہیں تھا۔ دن میں دو دو بار ایک ہی چیز میں کھا نہیں سکتا۔" امی کے اشارہ کرنے سے پہلے ہی وہ روٹیاں ڈالنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم یہ کباب لو بیٹا! بہت لذیذ بنے ہیں اور یہ فرائی چکن' دیکھو کتنا خستہ ہے' مسالے بالکل استعمال نہیں ہوئے اس میں۔" امی ان کی پلیٹ بھرنے لگیں تو اشعب کچن کی طرف منہ کر کے اسے آوازیں دینے لگا۔

"بھئی جلدی کرو۔۔۔ جلدی لے کر آؤ روٹی۔۔۔ بلکہ کھانا لگنے سے پہلے ہی پوچھ لیتیں تو حامد بھائی کو یوں بیٹھنا تو نہ پڑتا۔"

"شکر کرو شولا یہ بیٹھے ہیں۔" بجیا نے کہا۔ "شاید سسرال کا لحاظ ہے گھر میں ہوتے تو ایک منٹ میں ٹیبل سے اٹھ جاتے۔ کھانے تک آ کر روٹی کا انتظار کرنا بہت مشکل لگتا ہے انہیں' اسی لیے میں ایسی نوبت ہی نہیں آنے دیتی ہوں۔"

"آپ بجیا! اب میں وہ سوجھ بوجھ تو آ نہیں سکتی۔"

وہ بڑبڑایا تھا۔ جیسے تیسے جتنی جلدی اس سے ہو سکا اس نے دو تین روٹیاں پکائیں اور لے آئی۔ بھائی صاحب فرائی چکن سے انصاف کر رہے تھے۔ روٹی کے چند لقمے کباب کے ساتھ لیے پھر افسوس سے سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"لنچ بھی ٹھیک طرح نہ لے سکا تھا اور اب۔۔۔ دراصل چکن اور کباب دونوں ہی بنے تو اچھے ہیں مگر خشک خشک سے۔۔۔ روٹی حلق میں پھنس رہی ہے۔ چلو خیر۔" بجیا کا رنگ اڑ گیا' پہلے شوہر کی پشت پہ نگاہیں جما کر دیکھتی رہیں پھر امی کی طرف شکوہ کناں نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"کیا ہے امی۔۔۔! ابھی کبھار تو یہ آتے ہیں' آپ چند ڈھنگ کی ڈشز بھی نہیں بنوا سکتیں۔"

"حامد کو بریانی پسند ہے اسی لیے بنوائی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا اس نے دوپہر کو بھی یہی کھائی' تمہیں بتانا چاہیے تھا۔" امی خود بھی داماد کے اس طرح اٹھ جانے پہ جھنجلائی ہوئی تھیں۔

"کیا یہ بھی مجھے بتانا چاہیے تھا کہ کم از کم ایک تو سالن پکا لیا ہوتا تاکہ چاول نہ کھانے کی صورت میں کوئی روٹی ہی کھا سکے۔۔۔ یا پھر۔۔۔ میں یہ سمجھوں کہ اب کچن کا بجٹ آپ کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے اس لیے۔۔۔"

"یہ کیا بات کی آپ نے بجیا۔۔۔! یہ محض اتفاق ہے یا پھر آزی کی لاپروائی۔۔۔ آپ یوں میری محبت پہ شک تو نہ کریں۔ کیا آپ کی اس گھر میں حیثیت بدل سکتی ہے؟" اشعب بوکھلا کر منمنانے لگا۔ اگلے سارا دن اس نے بجیا ان کے نازک مزاج شوہر اور بیٹی' بچوں کی خاطر مدارات میں جتے ہوئے گزارا۔ ایسے میں اشعب کی لاتعلقی' امی کا کھنچا کھنچا سا انداز' بچوں کی افراتفری' شور شرابے اور بجیا کے کڑوے کسیلے

جملوں نے مسلسل اس کا موڈ آف کیے رکھا۔ رات کو جب اس نے آزی کی توجہ اس کے خراب موڈ کی طرف دلائی تو وہ چپ نہ رہ سکی۔

"ایسے میں کوئی کیسے موڈ ٹھیک رکھ سکتا ہے۔ جب دن بھر سخت گرمی اور خراب طبیعت کے باوجود سخت محنت کی ہو اور بجائے چند الفاظ تعریف کے یا حوصلہ افزائی کے سننے کے' صرف تنقید اور طعنے سننے کو ملے ہیں۔ جب جب بھی بجیا کے سامنے آئی مجھے سبکی کا سامنا ہی کرنا پڑا' وہ اپنے شوہر اور بچوں کے سامنے مجھے کچھ بھی کہہ دیتی ہیں اور آپ کا طرز عمل انہیں شہ دیتا ہے۔ میں اگر چپ چاپ سب سن لیتی ہوں تو اسی کو غنیمت جانیے۔ یہ امید مت رکھیں کہ اتنی انسلٹ اور دل دکھانے والے رویے کے بدلے میں وہاں بیٹھ کے باتیں بگھاروں گی۔" وہ بے حد جل کر بولی تھی اور اشعب تلملا اٹھا تھا۔

"کیسی سبکی' کون سی انسلٹ۔۔۔ کیا کہہ دیا تمہیں بجیا نے۔ تم غلطی کرو اور تمہیں اس کا احساس بھی نہ دلایا جائے؟ کیسی جاہل ہو تم۔۔۔ یہ رواج تمہارے گھر میں ہو گا' مہمانوں کو منہ نہ لگانے کا۔۔۔ اپنی میکے کی عادتیں بھول جاؤ آزی بیگم' ہم خاندانی لوگ ہیں۔"

"اور ہم۔۔۔ ہم لوگ۔۔۔ ہم کیا ہیں؟" وہ بپھر اٹھی۔

"میرے منہ مت لگو۔۔۔ مجھے اونچی آوازیں پسند ہیں نہ بلند لہجے' اپنی اوقات میں رہو گی تو تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔" اس کے سرد لہجے کی سرسراہٹ اور آنکھوں میں ایسی دھمکی تھی جسے محسوس کر کے وہ سہم گئی' سارا طیش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بے بسی کی آخری حد کو چھوتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ شاید وہ اس شخص سے کبھی محبت نہ کر سکے گی۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔۔۔ اسے اشعب سے محبت تھی۔۔۔ کیوں تھی' کس لیے تھی۔۔۔ یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"کیا واقعی نکاح کے چند بول اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ محض ایک رشتے کو بچانے کے لیے باقی تمام رشتے پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔"

اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ بے چین ہو کر کمرے میں پھرنے لگی۔ کل صبح ہی تو وہ اپنی امی کی طرف رہنے آئی تھی۔ شادی شدہ زندگی کے ان چھ سات ماہ کے دوران یہ دوسرا موقع تھا جب وہ یوں چند دن رہنے کا پروگرام بنا کر گھر سے نکلی تھی۔ کوئی پابندی تو نہ تھی اس پہ بس وہ خود ہی کچھ تو اشعب کے رویے سے خائف ہو کر اور کچھ امی جان کی تنہائی کا خیال کر کے زیادہ دیر نہ رکتی۔ امی کو پتا چلا تو خود اصرار کر کے اسے بھیجا اور اپنی طرف سے خوب بے فکر رہنے کی تاکید بھی کی' لیکن ایک ہی دن میں وہ فکر مند ہو گئی اور سونے سے پہلے اشعب کو فون کر دیا۔

"بس کل شام آپ مجھے لینے آ جائیے گا۔ نجانے امی کس طرح اکیلی ناشتہ اور کھانا وغیرہ تیار کرتی ہوں گی۔" اور اس کے اس انداز پہ وہ نہال ہی تو ہو گیا۔ اسی سرشاری میں وہ اس سے خود لینے آنے کا وعدہ بھی کر بیٹھا حالانکہ سسرال جانا اس کے لیے ایک ناگوار عمل تھا۔ اور اسی وقت اس وعدے پہ وہ خوش بھی ہو گئی لیکن صبح اٹھتے ہی جب اس نے طوبیٰ کی آواز سنی تو بے زاری کی ایک لہر نے اسے لپیٹ میں لے لیا ساتھ ہی یہ سوچ اسے سن کر گئی کہ وہ اپنی بہن' اپنی عزیز سکھی' اپنی ماں جائی کے آنے پر اس طرح بجھ کر رہ گئی ہے' صرف اس لیے کہ اس کے مجازی خدا کو اس کی بہن کی موجودگی پسند نہیں۔۔۔۔ صرف اس کے ماتھے پر آنے والی شکن کے خدشے نے ہفتوں بعد ملنے والی بہن کی آمد پہ دل کو خوش تک نہ ہونے دیا۔

اسے سخت غصہ آ رہا تھا طوبیٰ کے اچانک آ جانے پر۔ کیا تھا جو وہ ایک دن بعد آ جاتی۔ وہ کڑھ رہی تھی جب ایمن بھابھی نے اندر جھانکا۔

"ارے آزی! تم ابھی تک اندر بیٹھی ہو' ناشتہ لگ چکا ہے اور طوبیٰ بھی کب سے تمہیں پوچھ رہی ہے۔"

"ہونہہ۔ پوچھ رہی ہے۔" اس نے کڑھ کر سوچا۔

"ان ہی کی حرکتوں کی وجہ سے اشعب بگڑتے ہیں مجھ پہ۔ اب اگر اس وقت وہ بھی یہاں ہوتے تو برا بھی محسوس کرتے کہ طوبیٰ آئی اور سیدھا ناشتے کی میز پہ

بیٹھ گئی بجائے گھر کے لوگوں سے ملنے کے۔"

"کیا ہوا؟ کیا سوچ رہی ہو۔ ناشتہ کر لو۔" ایمن بھابھی نے دوبارہ کہا تو وہ چونک گئی۔

"آ رہی ہوں بھابھی! ناشتہ ہی ہے نا..... کہیں بھاگا جا رہا ہے؟" اس کے انداز پہ بھابھی کے چہرے پہ ہر وقت کھلی رہنے والی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی اور وہ چپ چاپ پلٹ گئیں۔ بے دلی سے چپل میں پاؤں پھنساتے ہوئے اور بکھرے بال سمیٹتے ہوئے اسے ان کے پیچھے نکلنا ہی پڑا۔ طوبیٰ کو بھرے پراٹھے سے مزہ آتا تھا اسے دیکھ کر کرسی سے اچھل کر چیخی۔

"بے ایمان..... ! کل کی آئی ہو مجھے بتایا تک نہیں۔" وہ بے ساختہ ازکی سے لپٹ گئی۔

"وہ تو مجھے تجلی نے فون کیا۔ شکر ہے جنید ابھی گھر ہی تھا میں نے جلدی سے بیگ میں کپڑے ٹھونسے اور نکل آئی۔ عرصہ ہی ہو گیا ہے رات کو اٹھ بیٹھ کر بھابھی کی برائیاں کیے۔" اس نے شرارت سے ایمن بھابھی کو دیکھا، انہوں نے چائے میں چینی گھولتے گھولتے گرم چمچہ اس کے ہاتھ کی پشت پہ رکھ دیا۔ وہ پھر چیخی۔

"دیکھیں ناصر بھیا! آپ کی بیگم نندوں پہ جسمانی تشدد کرنے پہ اتر آئی ہیں۔"

"بھئی یہ تو حقوق نسواں کا کیس ہے، مجھ سے کیا کہہ رہی ہو۔" وہ ہاتھ پونچھتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تجلی! تم نے فون پہ میرے آنے کی اطلاع تو دے دی طوبیٰ کو یہ نہیں بتایا کہ میں آج رات واپس جا رہی ہوں۔ خوامخواہ اس نے زحمت کی۔" اس کے جانے کی بات سن کر طوبیٰ کا منہ لٹک گیا۔

"کیا واقعی؟ تم بس ایک رات ہی کے لیے آئی تھیں۔ مجھے کیا پتا تھا میں فضول میں اتنے پروگرام سیٹ کر کے گھر سے نکل آئی۔ اب تو واقعی تم سے لڑنا چاہیے۔ جب تمہیں ایک ہی رات رکنا تھا تو مجھے کل ہی فون کر دیتیں کم از کم میں کل شام کو ہی آ جاتی۔"

"میں نے تو سوچا تھا لیکن پتا چلا کہ میرے آنے سے دو تین دن پہلے ہی تم پانچ دن رہ کر واپس گئی ہو۔ اس لیے رہنے دیا کہ اب روز روز کہاں گھر بار چھوڑ کر نکلو گی۔ پہلے کی بات اور تھی اب تو تمہارا بیٹا اسکول جانے لگا ہے۔" الفاظ تو سادہ سے تھے لیکن طوبیٰ کو بری طرح محسوس ہوئے حالانکہ اسی مذاق میں وہ سب بہن بھائی ایک دوسرے کو کافی کچھ کہہ جاتے تھے اور ازکی کے انداز میں مذاق کی کوئی رمق نہ تھی۔ شاید اس لیے اس نے اس جملے کو اور طرح سے لیا اور چپ کر گئی بلکہ چند منٹ کے لیے سب ہی خاموش سے رہے۔ ازکی کو اپنی سرد مہری کا احساس ہوا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔ واقعی کئی ہفتوں بعد ملنے والی بہن کی گرم جوشی کے مقابلے میں اس کا رویہ نامناسب تھا لیکن وہ کیا کرتی اسے طوبیٰ سے بھلا کیا شکایت ہونی تھی وہ تو بس اشعب کی متوقع ناراضی کا سوچ سوچ کر الجھ رہی تھی اور اسی الجھن میں اس سے ڈھنگ سے بات نہ کر سکی۔ اپنی نجات منانے کا اور کوئی طریقہ سمجھ نہ آیا تو چائے کا مگ اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شام کو بھابھی کی مدد کی غرض سے کچن میں گئی تو طوبیٰ ایمن بھابھی کے کاندھے پہ جھکی کچھ کہہ رہی تھی، وہ بھی تائید میں سر ہلا رہی تھیں۔ ازکی نے محسوس کیا کہ اسے آتا دیکھ کر تجلی نے دانستہ طوبیٰ کو متوجہ کیا۔

"طوبیٰ آپی بس آپ رہنے دیجیے۔ میں ازکی آپی سے پوچھ لیتی ہوں نرا تکلف بنانے کی ترکیب۔" اور طوبیٰ نے چونک کر اسے دیکھا تھا بھابھی بھی سنبھل کر کھڑی ہو گئیں۔

"ارے آؤ آؤ، چائے اور پیو گی؟" بھابھی نے بڑے سے دیگچے میں چمچہ چلاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں میں تو پوچھنے آئی تھی کہ اگر کوئی کام ہو تو بتا دیجیے۔ میں کچھ مدد کرا دوں کھانے کی تیاری میں۔"

"تھینک یو جانو! تم نے پوچھ لیا اتنا ہی کافی ہے اور اس موئی کو دیکھو گھنٹہ بھر سے میرے سر پہ کھڑی ہے بجائے ہاتھ بٹانے کے الٹا فرمائش کر رہی ہے، سارا کام چھوڑ کے ابھی اس کے لیے پکوڑے تلنے ہیں۔"

"بھئی کبھی تو آپ کو موقع ملتا ہے اپنی کارکردگی دکھانے کا اس میں بھی اگر ہم دونوں آپ کا ہاتھ بٹانے

لگے تو بھابھی آپ پکانا بھول ہی جائیں گی ویسے بھی امی بتا رہی تھیں۔ ناشتہ تو وہی تیار کرتی ہیں، دوپہر تک آپ سوئی رہتی ہیں۔ اس وقت امی اور تجلی آملیٹ وغیرہ بنا لیتے ہیں یا پھر کوئی سبزی جبکہ رات کو باہر بھیا باہر سے کھانا لے آتے ہیں۔" طوبیٰ نے سراسر بہتان باندھا۔

"کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ جنید صحیح تمہیں تو یہ کہہ کر بلاتا ہے 'بھوتوں کی ملکہ'..... امی کو کیوں بیچ میں گھسیٹتی ہو۔" بھابھی نے موٹا سا پیاز اسے کھینچ مارا جو اس کے اچانک جھک جانے پر ازکی کے کاندھے پہ جا لگا۔

"اف..... اب تو بس کرو طوبیٰ اپنا بچپنا۔" اس نے بازو کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"لائیے بھابھی مجھے بھی کوئی کام دیجیے۔"

"کام ہے ہی کیا چندا! یہ تجلی بی بی کچھ تجربہ کر رہی ہیں قیمے کے ساتھ..... کباب آج یہی بنائے گی۔"

"او پلیز بھابھی! امی نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا ہے، میرا رات کا کھانا تو تجربوں کی بھینٹ مت چڑھائیے، پلیز کباب خود تیار کیجیے یا اگر کوئی اور کام ہے تو مجھے دے دیں میں بنا لیتی ہوں۔" اس نے تجلی کے ہاتھ سے قیمے کا بھرا برتن تقریباً کھینچ ہی تو لیا۔ وہ بے چاری کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ایمن بھابھی نے ایک نظر اس کے اترے اترے چہرے کو دیکھا۔

"مجھے تو کوئی مصروفیت نہیں بچی کا دل رکھنے کو کہہ رہی تھی، اگر تمہیں میرے ہاتھ کے بنے ہی کھانے ہیں تو سو بسم اللہ..... لاؤ میں خود ہی بنا لیتی ہوں۔" انہوں نے تو چپ چاپ بات سنبھال لی۔

طوبیٰ شاید چھوٹی بہن کے لاڈ میں کچھ بول پڑتی اگر ابو اچانک اندر آ کر ہمیشہ کی طرح ہنگامی صورتحال نہ پیدا کر دیتا۔ اس کے آنے سے ایسی ہی افراتفری سارے میں پھیل جاتی تھی۔ باقی سب کی طرح کسی زمانے میں ازکی بھی اپنے اس چچا زاد بھائی کم بہنوئی کی آمد پر اسی طرح کھل اٹھتی تھی اور اس کی بذلہ سنجی کو جی بھر کے انجوائے کیا کرتی تھی۔ لیکن اب جیسے جیسے اس کے بلند قہقہے اور چھیڑ چھاڑ اس کے کانوں تک آ رہے تھے ویسے ویسے اس کا دل بیٹھ رہا تھا۔

اسے ابھی تک اشعب کی جنید سے وہ گنتی کی چند ملاقاتیں یاد تھیں جن کے بعد دنوں تک اس نے ازکی کے کان کھائے تھے اور بہنوئی کی اس کے ساتھ حد سے بڑھی بے تکلفی پہ ناگواری کا برملا اظہار کیا تھا۔ اسے طوبیٰ کا خود سے مذاق کرنا بھی اوچھا لگتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کا آج یہاں موجود ہونا اسے بری طرح کھل رہا تھا اور وہ اپنے تاثرات کو چھپائے نہ چھپا پا رہی تھی۔

اور وہی ہوا جس کا خدشہ تھا امی کے دروازے میں کھڑی ازکی نے دیکھا کہ پورچ میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد باہر نکلتے اشعب کے منہ کے زاویے کس طرح بگڑنے لگ گئے تھے، ابو کے ساتھ استقبال کو کھڑے جنید کو دیکھتے ہی "اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ واپس چلا جائے۔ بجھے دل کے ساتھ وہ پلٹی اور کمرے میں جا کر الجھے بالوں کو برش کے ساتھ سلجھانے لگی۔ ناصر بھیا کی موجودگی میں یوں بھی فی الحال ماحول قابو میں ہی تھا۔ وہ اشعب سے اس کے بزنس کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو اس کا پسندیدہ موضوع تھا۔ اس نے بھی شوہر سے امی جان کی خیریت دریافت کی، اتنی دیر میں بھابھی نے کھانا لگنے کی اطلاع دی اور یہیں کھانا کھاتے ہوئے ہی اصل مسئلہ پیدا ہوا جب طوبیٰ اور جنید میں حسب معمول نوک جھونک شروع ہوئی۔ جس میں آہستہ آہستہ ابو، باسط، تجلی اور ایمن بھابھی بھی شامل ہوتے گئے۔ وہ ہر لقمے کے ساتھ چور نظروں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی جس کے چہرے پہ ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے۔ اس کی برداشت کی حد تمام ہوئی جب جنید نے اپنی جھڑپ میں ازکی اور اشعب کو بھی لپیٹنا چاہا۔

"ازکی! تم کچھ دیر اور رکنا چاہو گی یا میرے ساتھ چلو گی؟" اس نے پلیٹ پرے کھسکاتے ہوئے، جنید کے کسی جملے کو سراسر نظر انداز کر کے سوال کیا۔ وہ کھسیا کر چپ کر گیا جبکہ امی اور ایمن بھابھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

ابو اور ناصر بھیا کے چہرے پہ بھی اس کے اچانک

جانے کی بات کرنے پہ حیرانی پھیل گئی جبکہ طوبیٰ آنکھوں ہی آنکھوں میں باسط کو کچھ اشارے کرنے لگی۔ وہ اتنے سارے لوگوں میں بیٹھی سب کے مختلف ردِ عمل کا سوچ کر ہی گھبرا اٹھی۔ اس سے کوئی جواب ہی نہ بن پایا۔

"اگر رکنا ہے تو پھر کل صبح باصر بھیا کے ساتھ آجانا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آئس کریم لا رہی ہوں اشعب! آپ بیٹھیں تو سہی۔" بھابھی بھی جلدی سے اٹھیں۔

"جی نہیں شکریہ بھابھی! میرا گلا خراب ہے۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"بیٹا! آپ نے صحیح طرح کھانا بھی نہیں کھایا۔" امی نے کہا' بھیا اور ابو نے بھی مزید رکنے کے لیے اصرار کیا۔

"آنٹی! میں نے کھانا کھالیا ہے اور میں ضرور کچھ دیر اور رکتا اگر مجھے ضروری کام نہ ہوتا۔ میرا ایک بہت اہم نوعیت کا فیکس آنے والا ہے جس کا مجھے ارجنٹ جواب دینا ہے۔" اس نے پتا نہیں سچ بولا تھا یا بہانہ گھڑا تھا بہر حال وہ خود کو سنبھالتی اٹھی۔

"بس دو منٹ پلیز۔ میں بیگ لے آؤں آپ پہلے کہہ دیتے تو میں نہ صرف خود تیار رہتی بلکہ کھانا بھی جلد لگوا لیتی۔" اس کے ساتھ جانے پر اشعب کے چہرے سے کچھ تناؤ کم ہوا۔

کار کی فرنٹ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ آخر وہ کیا سوچ کر یہاں آئی تھی۔ بلکہ وہ آئی ہی کیوں تھی؟ ان دو دنوں میں نہ وہ خود خوش رہی تھی نہ ہی کسی کو کر سکی تھی اور اب جاتے جاتے بھی وہ گھر بھر کو ایک موضوع دے گئی تھی جس پہ وہ گھنٹوں بحث کرتے رہیں گے۔ اس کا دل یہ سوچ کر بھی سہما جا رہا تھا کہ اشعب نجانے کتنے دن تک اس بات کا ماتم کرتا رہے گا کہ بیوی کے کہنے پہ سوچے سمجھے بغیر سسرال یاترا کے لیے چل پڑا۔ اس کے خاندان کی بدلحاظی اور بدتہذیبی کے قصیدے پڑھے جائیں گے۔ آئے گئے کا احترام نہ کرنے پہ افسوس کا اظہار کیا جائے گا اور شاید اسے وحشت ہونے لگی آنے والے وقت کی تلخی کو سوچ سوچ کر۔ وہ فطرتاً خوش باش رہنے والی صلح جو سی لڑکی تھی۔ اتنی ٹینشن میں رہنا اس کے لیے دشوار ترین امر تھا لیکن اس کی حساس فطرت کسی نہ کسی بات کو لے کر افسردہ ہو ہی جاتی تھی۔

"کیا اب ہمیشہ افسردگی کی اس ٹھنڈی چادر کی بکل میں ہی دن گزارنے پڑیں گے؟" اس نے دل سے سوال کیا' جواب میں دل زور سے دھڑک کر سکڑ گیا۔ اس نے ایک نظر اشعب کو دیکھا۔ وہ لب بھینچے خاموشی کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ساون کی سوندھی سوندھی سی رات تھی۔ کیمپس کی نہر کے ساتھ بنی خوبصورت سڑک پہ اس وقت کار سبک رفتاری سے چل رہی تھی۔

شام کی موسلا دھار بارش نے سڑکیں دھو کر جیسے چمکا دی تھیں۔ تارکول کی سیاہ چمکتی ہوئی سڑک پہ دو طرف لگے قد آور درختوں کے سائے عجیب ہیبت ناک سے لگ رہے تھے۔ لاہور شہر رات کے اس پہر پورے آب و تاب کے ساتھ زندہ تھا صرف اس حصے میں ٹریفک کا زور کم تھا۔ اے سی آف کرنے کے بعد اس نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے سرکایا' تازہ فضا میں چند گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے ازکی نے طبیعت کا بوجھل پن دور کرنا چاہا۔ ڈیک آن کرتے ہوئے ایک ناز کے ساتھ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ آس پاس منی بیگم کی آواز پھیل کر اس تنہائی میں ذرا سا ارتعاش پیدا کر گئی۔

"مجھے یاد کیا؟" وہ چونک پڑا۔ غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں یکسر مختلف تاثرات تھے۔ شانے اچکا کر کہنے لگا۔

"تم کون سا مہینہ بھر رہنے گئی تھیں جو یاد کرنے کی نوبت آتی۔" اگرچہ جواب خاصا حوصلہ شکن تھا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔

"اچھا......" اس نے جتاتے لہجے میں کہا۔

"تو آپ کو یاد آنے کے لیے مجھے مہینہ بھر غائب رہنا پڑے گا۔ پھر تو میری یہ حسرت حسرت ہی رہے گی

کہ اتنے دن آپ سے دور رہنے کے بعد میں یہ دیکھنے کے قابل ہی کہاں رہوں گی کہ آپ نے مجھے یاد کیا یا نہیں۔" اگرچہ اس میں کچھ ایسا جھوٹ یا مبالغہ بھی نہ تھا؟ اس کے بغیر وہ کہاں اتنے دن رہ سکتی تھی۔ لاکھ ستمگر سہی تھا تو محبوب..... ہاں البتہ یہ بات بے موقع ضرور تھی اس کا احساس اشعب کو بھی تھا اسی لیے ہلکا پھلکا سا ہو کر کہنے لگا۔

"میں تو سمجھ رہا تھا تم ناراض ہو رہی ہو گی۔ میرے اچانک جانے کے فیصلے پہ۔ تمہیں محفل چھوڑ کر اٹھنا پڑا۔" اس کے کریدتے انداز پہ بے نیازی کا مظاہرہ کرتی ازکی نے کہا۔

"ناراضی کیسی؟ میں نے خود ہی تو فون کر کے آپ کو کہا تھا کہ مجھے لے جائیں۔" اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اس کی خفگی اسے محسوس ہی نہ ہوئی ہو۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن خاموش ہو گیا اور وہ بھی تو چاہتی تھی کہ اس بات کو ختم کرنے کے ارادے سے ہی لگاوٹ کا یہ مظاہرہ کیا تھا۔ اب یہ امر اس کے لیے کتنا دشوار تھا یہ تو وہی جانتی تھی لیکن اس نے اپنی انا پرست فطرت سے کٹتے ہوئے رعایت مانگی تھی کہ کم از کم شوہر کے آگے ذرا سا معاملہ سنبھال لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

گاڑی "عریبین ڈیلائٹس" کے آگے رکی تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم نے آئس کریم نہیں کھائی' میں نے سوچا کہ گلہ نہ رہ جائے۔" آرڈر دیتے ہوئے اس نے تو جیسے چوٹ کی تو ازکی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر پائی۔ (واہ صاحب' پیار بھی جتائیں گے تو الزام دے کر۔)

ایک بار مسکراؤ.....

ایک بار مسکراؤ.....

منی بیگم نے تو نجانے کس سے فرمائش کی تھی۔ لیکن وہ جذبے لٹاتی نظروں کے ساتھ ایک پیار بھری مسکان کی آس لیے اسے تکنے لگی۔ اسے اپنے چہرے پہ اس کی نظروں کی تپش محسوس تو ہو رہی تھی لیکن بے نیاز بنا ڈرائیو کرتا رہا۔ گیت ختم ہوا تو اس نے ریوائنڈ کر کے پھر سے لگا دیا۔

ایک بار مسکراؤ.....

اب کے زچ ہو کر اشعب نے اسے گھورا..... اس کی شرارت محسوس کر کے وہ ٹھٹکا۔ ازکی نے ہولے سے سرگوشی کی۔

"بس ایک بار....."

اس کی آنکھوں میں تبسم تیرتا نظر آیا' ڈارک براؤن مونچھوں کے تلے بھرے بھرے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیلنے کو تھی کہ اس نے سختی سے لب بھینچ کر کار کی اسپیڈ بڑھا دی۔ ازکی کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ جتنی کوشش کر سکتی تھی کر چکی تھی بلکہ اب اسے غصہ آنے لگا خود پہ۔

"کیا ضرورت تھی مجھے خود کو اس قدر گرانے کی اور سر پہ چڑھا لیں گے حضرت کہ بیوی تو دل و جان سے فدا ہے عاشق ہے پوری..... جو مرضی آئے کرتے رہو۔ نخرے یہ مسکراہٹ۔" آنکھوں سے لبوں تک آ آ کر ہلکا سا تبسم وہ بھلا نہ سکی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"کیا بات ہے ازکی؟ تم کچھ روز سے الجھی الجھی نظر آ رہی ہو۔" امی جان نے بڑے ہی پیار سے پوچھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں امی! آپ کو وہم ہوا ہے۔"

"وہم تو نہیں ہوا ہاں اگر تم بتانا نہ چاہو تو وہ دوسری بات ہے۔" امی کی اس بات پہ وہ جز بز ہو کے رہ گئی۔

"جب سے تم اپنی امی کے گھر رہ کے آئی ہو' میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے اور اشعب سے بھی کھنچی کھنچی سی ہو۔ کسی بات پہ کوئی جھگڑا ہو گیا ہے کیا؟"

"جھگڑا کیا ہونا ہے امی جان..... بس میں تھک گئی ہوں..... ہمت ہارنے لگی ہوں..... میں نے سوچا تھا محبت اپنی جگہ بنا لیتی ہے لیکن....."

اسے اپنے بے ساختہ پن کے جواب میں اس کا نظریں چرانا پھر سے یاد آ گیا اور وہ بجھ گئی۔ اس رات کے بعد اس نے اشعب کو متوجہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی وہ حقیقتاً اس کے رویے سے سخت مایوس

ہو چلی تھی۔

"بیٹا مجھے بتاؤ جان! اگر اشعب سے کوئی شکایت ہے اس کی غلطی ہوئی تو میں خوب کان کھینچوں گی اس کے کہ میری اتنی اچھی بیٹی کو ناراض کیوں کیا؟" امی نے پیار سے لاڈ سے بہلا کر اسے بولنے پہ آمادہ کر ہی لیا تھا۔

"میں نہیں جانتی وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ انہیں ان سب کا ہنسنا بولنا' مذاق کرنا سب کچھ برا لگتا ہے' اوچھا پن لگتا ہے۔ میں اپنے بہن بھائیوں سے کٹ کر نہیں رہ سکتی اور ظاہر ہے میرے حوالے سے اشعب کا بھی ان سے ملنا ہے گا تو کیا ساری عمر میں اسی طرح دل بوجھل کیے پھروں گی ان سے ملاقات کے بعد۔" ساری بات انہیں بتانے کے بعد وہ سوال کر رہی تھی۔ انہوں نے اس کی بات غور سے سنی تھی۔

"آپ ہی بتایئے امی جان! ان کا طرز عمل درست ہے یا غلط؟ اگر وہ میرے میکے والوں سے کھلنا ملنا نہیں چاہتے تو یہ ان کی مرضی ہے۔ ٹھیک ہے بعض مردوں کی ایسی ہی عادت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اپنے اصول دوسروں پہ بھی لاگو کریں۔ میرے بہنوئی جنید بھائی کی خوش مزاجی پہ انہیں اعتراض ہے ہر وقت ان کی بے تکلفی پہ تنقید کرتے رہتے ہیں' وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جنید بھائی میرے تایا زاد ہیں۔ ہم لوگ ایک ساتھ کئی سال گزار چکے ہیں بچپن سے اکٹھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ گھر میں ایک جگہ بنا چکے ہیں ان کا ہمارا رشتہ محض سالی بہنوئی والا تو نہیں ہے پھر انہیں میری بہنوں کی ہر عادت میں کیڑے نکالنے کا خبط ہے اور تو اور وہ میرے سامنے ہی میرے ابو اور امی کی تربیت پہ کڑی تنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے کیا یہ سب برداشت کرنا میرے لیے کوئی آسان بات ہے؟ پھر بھی میں نے یہ سب نظر انداز کر کے انہیں ہی خوش رکھنا چاہا۔ ایک بار بھی انہیں ان کے بد صورت رویے کا احساس نہ دلایا مگر..... وہ ہیں کہ....."

جھجک اور شرم کے مارے وہ اپنی بات پوری نہ کر سکی کہنا تو یہ چاہتی تھی کہ آپ کا بیٹا ایسا پتھر ہے' جس پہ میری محبت کی پھوار بھی شگاف نہ ڈال سکی۔

"مجھے خدشہ تو تھا کہ اشعب یہ سارے رنگ ڈھنگ کبھی نہ کبھی ضرور اپنائے گا لیکن یہ امید نہ تھی کہ تمہارے جیسی ہیرا بیوی پانے کے بعد بھی اس کی طبیعت کی تلخی دور نہ ہو سکے گی۔ میں نے تو بڑی چھان پھٹک کے بعد تمہارا انتخاب کیا تھا۔ نہ صرف تم بلکہ تمہارا پورا گھرانہ ہی مجھے بڑا بھلا لگا تھا' ہنستا مسکراتا' صاف دل کا..... میں نے سوچا تھا میرے بیٹے کے دل میں بھی کلیاں چٹکنے لگیں گی لیکن بیتے برسوں نے جو زہر اس کے اندر بھر دیا ہے' شاید اتنی جلدی اس کا اثر زائل نہ ہو سکے گا۔"

"کیسا زہر؟" وہ چونکی۔

"اب تم سے کیا چھپانا بیٹی! آج تم اپنا جو دکھ مجھ سے بیان کر رہی ہو یہ اس کا دس فیصد حصہ بھی نہیں' جو کچھ میں نے جھیلا۔ میں ایک درمیانے درجے کے ایماندار سرکاری ملازم کی بیٹی تھی' ہمارا کل اثاثہ شرافت اور تعلیم ہی تھا۔ ایسے میں جب میں بیاہ کر لمبی چوڑی سسرال گئی تو وہاں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کے بوکھلا گئی اور بوکھلا کے تو وہ سب بھی رہ گئے جب ان پڑھ لوگوں کے درمیان ایک بی اے بہو آ گئی۔ میرے شوہر یوں تو تعلیم یافتہ ہی تھے لیکن خاندانی جہالت ان کی رگوں تک میں گردش کر رہی تھی وہ ان مردوں میں سے تھے جن کی ڈوریاں ان کی ماؤں بہنوں کی انگلیوں میں پھنسی ہوتی ہیں اور ان کی مائیں بہنیں..... وہ میری تعلیم' میرے سگھڑاپے اور سدھرے طور طریقوں سے خائف تھیں۔

اب لمبے قصے کیا سناؤں بس اتنا کافی ہے کہ ہر ممکن طریقے سے انہوں نے مجھے دبانے کی کوشش کی تاکہ میں ان پہ حاوی نہ ہو جاؤں' میرا سلیقہ ان کے اجڈ پن کو اور نمایاں نہ کر دے اس لیے انہوں نے مجھے کبھی ابھرنے نہ دیا۔ سسرال میں گزارے اٹھارہ سال میرے لیے کسی پردیس میں' کسی اجنبی سرزمین میں ڈھیر سارے ناشناساؤں کے درمیان گزرے تکلیف

وہ سال تھے۔ سونے پہ سہاگہ اس عرصے میں ان کا کاروبار خوب چمکا..... دولت کی ریل پیل ہو گئی' جہالت اور دولت جب یکجا ہو جائیں تو بڑی تکلیف دہ چیز بن جاتی ہے۔ وہ پہلے ہی ناقابل برداشت تھے اور بھی اذیت دینے لگے۔ میرے ہنسنے بولنے ہر چیز پہ پابندی تھی۔ میرے شوہر نے بہنوں کو ہر طرح کی آزادی اور سہولت دے رکھی تھی' کیونکہ ان کے نزدیک وہ معصوم تھیں جبکہ میں کالج کا منہ دیکھ چکی تھی۔ کتابیں پڑھ چکی تھی میرے بگڑنے کا اندیشہ زیادہ تھا اس لیے کڑی پابندیاں صرف میرے لیے تھیں۔

اتنے بڑے سارے کنبے کی ہر ذمہ داری اکیلی مجھ پہ تھی۔ کیونکہ بقول میری ساس کے میں تیز گھرانے کی' نئے زمانے کی لڑکی تھی اور دولت کی فراوانی مجھے خطرناک بنا سکتی تھی۔ مجھے سر اٹھانے کی فرصت نہ تھی' بچے کیا پالتی۔ ادھر ادھر دادی اور پھوپھیوں کے ہاتھوں میں پلتے رہے۔ ان ہی کے خیالات کے بیج ذہن میں بوتے رہے۔ مجھے اس گھر سے آزادی یوں ہی نہیں ملی تھی ازکی..... "ان کا گلا رندھ گیا۔

"بدلے میں مجھے اپنی بیٹی کی قربانی دینا پڑی۔ میری بڑی نند نے جب شبانہ کا رشتہ مانگا تو وہ بس سترہ ہی سال کی تھی اس نے میٹرک میں بڑے اچھے نمبر لیے تھے میں اسے آگے پڑھانا چاہتی تھی لیکن سارا خاندان ایک طرف ہو گیا اور میں اکیلی۔ میری پہلے کسی نے کب سنی تھی جو اب کوئی سنتا۔ باپ نے بڑے مان سے اکلوتی بیٹی بہن کے حوالے کر دی اور یہ مان ٹوٹا تو ان کے جینے کی ڈوری بھی ٹوٹ گئی۔ میں اس گھر سے نکل کر بھی جیسے اسی سزا میں ہوں۔ سگی پھوپھی کا گھر شبانہ کے لیے وہی پردیس ثابت ہوا جو اس کی ماں کے لیے تھا۔

حامد نے وہی رنگ ڈھنگ اپنا لیے جو اس کے خاندان کے مردوں کا وتیرہ ہیں اور..... اشعب بھی کسی غیر خاندان کا تو نہیں..... اس کی رگوں میں بھی باپ دادا کا خون ہے..... گھٹی میں وہی عادات پڑی ہیں..... فرق صرف یہ پڑا ہے کہ ان کی بری عادات کو تمیز کرنے میں ان کی ماؤں کا بڑا ہاتھ رہا ہے جبکہ اشعب کی خصلت پروان چڑھانے میں اس کی ماں اور بہن سے کی گئی زیادتیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ جیسا ڈرا سہما اس کا بچپن گزرا ہے..... وہ اب کسی کو ہنستے بولتے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ خوش باش گھرانہ اس کے جذبۂ حسد کو ہوا دیتا ہے۔ اس کی ماں سدا باپ کی ٹھوکروں کی زد پہ رہی' بہن کو بہنوئی جوتی کی نوک پہ رکھتا ہے پھر کیوں کوئی اور عورت کوئی سکھ اٹھائے۔ چاہے وہ اس کی اپنی بیوی ہی کیوں نہ ہو۔ بس یہی سوچ اسے برباد کر رہی ہے۔ شبانہ کے برتاؤ میں جو تلخی ہے اس کا سبب بھی اس کے ذاتی گھریلو حالات ہیں ورنہ وہ دل کی بری نہیں ہے بیٹا.....! میں مانتی ہوں کبھی کبھی وہ تمہارے ساتھ زیادتی کر جاتی ہے لیکن اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ اپنے گھر سے وہ اتنی جلی بھنی آتی ہے کہ تمہیں میرے ساتھ ہنستے بستے دیکھنا اسے اور مشتعل کر دیتا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی امی جان! اس سارے میں بھلا میرا کیا قصور نکلتا ہے؟ ٹھیک ہے کہ آپ نے ایک مشکل دور گزارا اور آپ کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا اشعب نے ایک بیٹے کی حیثیت سے بہت اثر لیا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ان سب کا بدلہ مجھ سے لیں اور شبانہ بجیا کے سسرال والوں کا رویہ اگر ان کے ساتھ برا ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے میکے میں اپنی ماں اور بھابھی کے درمیان بھی ایسے ہی تعلقات دیکھنا چاہتیں۔" اس نے امی جان کی بات سن تو لی تھی اور اسے حقیقتاً" خاصا افسوس بھی ہوا تھا ان کے ماضی کی تلخ یادوں کا ذکر جان کر' لیکن یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ ان تمام حقائق کے پس منظر میں بجیا اور اشعب اپنے رویے میں حق بجانب کیسے ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔

"ہوتا ہے بیٹا! کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ زندگی بڑا کچھ سکھاتی ہے' اچھا بھی اور برا بھی۔ یہ تو لینے والے پہ منحصر ہے کہ وہ زندگی کے کسی تلخ واقعے کا کیا اثر لیتا ہے اچھا یا برا؟ میری تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی نہ ہی

میری اولاد کی فطرت میں کھوٹ ہے یہ تو سب ماحول کا اثر ہے میری بیٹی! جو کچھ یہ میرے ساتھ ہوتا دیکھتے آئے ہیں، سمجھتے ہیں وہی سب لوٹا دینے سے ہی حساب برابر ہو گا۔"

ازکی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی اور بہت کچھ کہہ بھی سکتی تھی۔ لیکن چپ ہی رہی۔ اس نے لبوں پر مہر لگاتے ہوئے اس لاحاصل بحث کو سمیٹ تو دیا لیکن اپنے دل و دماغ میں ابھرتے سوالوں پہ بند نہ باندھ سکی۔

"بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ چونکہ میرے ساتھ برا ہوا اس لیے میں دوسروں کے ساتھ بھی برا ہی کروں گی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔"

اس کی سوچ باغیانہ ہوتی جا رہی تھی ویسے بھی آج کل اس کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ پریگنینسی کا آغاز ہی تھا اور وہ حد سے زیادہ زود رنج ہو رہی تھی۔ ذرا ذرا سی بات کو بری طرح محسوس کرتی۔ بجیا کی آمد اب اسے پہلے سے کہیں زیادہ چبھنے لگی اور تو اور امی جان کا لگاؤ اور پیار بھی اسے مطمئن نہ کر پاتا۔

"کیا فائدہ اس پیار کا..... وہ مجھے اپنی اولاد کے برابر تو نہیں چاہ سکتیں۔ مجھے بیٹی کا درجہ تو نہیں دیتیں۔ آخر بہو ہی ہوں اور بہو سے پیار کا کیا مطلب؟"

اب اس کا دل میکے میں بھی نہ لگتا تھا گھر سے گھبرا جاتی تو وہاں کی راہ لیتی لیکن امی اور بھائی کے سوال اتنا زچ کر ڈالتے کہ چند گھنٹوں بعد ہی واپسی کا ارادہ پکا ہو جاتا۔ یوں بھی اسے لگتا کہ جیسے شادی کے بعد وہ امی، ابو، بھیا سب سے دور ہو گئی ہے۔ ذہنی طور پر بھی اور جذباتی طور پر بھی حالانکہ طوبیٰ کی شادی کو اتنے برس بیت چکے تھے لیکن اب بھی وہ میکے میں اسی طرح رچی بسی ہوئی تھی۔ شاید اس کی وجہ جنید تھا جس نے اپنے ماں باپ اور ساس سسر میں کبھی کوئی فرق نہ سمجھا تھا۔

اس دن بھی بجیا کو گئے ابھی دو ہی روز ہوئے تھے کہ ان کا فون آ گیا۔ رمشا کی پانچویں برتھ ڈے تھی۔ سب کو آنے کی دعوت دی گئی وہ چڑ گئی بجیا کے گھر جانے کا پچھلا کوئی واقعہ خوشگوار نہ تھا۔ شادی کے بعد جب وہ پہلی بار گئی تو چائے کے ساتھ بس معمول کی چیزیں رکھ دی گئیں۔ بسکٹ، نمکو وغیرہ وہ نئی دلہن ہونے کے ناتے جس پذیرائی کی توقع کر رہی تھی وہ اسے نہ ملی۔ بجیا نے سرد سے انداز میں اس کا تعارف اپنی نندوں اور دیورانیوں سے کرایا اور رکنے پہ رسمی سا اصرار بھی نہ کیا۔ دوسری بار وہ میلاد پہ گئی بجیا اپنی سسرالی عزیز خواتین کے اردگرد ہی گھومتی رہیں۔ اسے ایک بار بھی نہ پوچھا تب بھی وہ ہرٹ ہوئی تھی بلکہ اسے سخت بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ تیسری بار آخری روزے کی شام کو عیدی دینے گئی تھی۔ بجیا نے اپنی نندوں کے لیے افطار پارٹی کا انتظام کیا تھا اور انہیں فکر تھی کہ اشعب اور ازکی جلد از جلد سامان دے کر چلتے بنیں، اس دن تو اس کی اشعب سے ہلکی پھلکی جھڑپ بھی ہوئی تھی اور اس نے آئندہ ان کے گھر نہ جانے کا اعلان بھی کیا تھا۔

اب پھر سے اتنے لوگوں کے درمیان اسے تماشا بننا منظور نہ تھا۔ وہ نہ تو ماں کے شایانِ شان استقبال کرتی تھیں، نہ ہی بھائی اور بھاوج کو لفٹ دیتی تھیں اور بھائی ہیں کہ عزت نفس نام کو نہیں وقعت نہ ہونے کے باوجود بہن کے بلانے پہ بھاگے جائیں گے۔

"ساری اکڑ فوں اور رعب داب بس بیوی اور سسرال کے لیے ہے۔" بے حد تنفر سے اس نے سوچا اور بجیا کی بیٹی کی برتھ ڈے پارٹی گول کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے امی کے گھر کے نمبر پش کرنے لگی۔

"ہیلو....."

"ہیلو باسط! میں ازکی بول رہی ہوں۔"

"آہا" آزکی آپی! آپ نے کیسے خود فون کر لیا۔"

"مجھے امی سے ضروری بات کرنی تھی، پلیز ذرا جلدی بلا دو۔"

"امی تو پڑوس میں گئی ہیں شاید نصرت آنٹی کی طرف۔ آپ ہولڈ کریں گی تو میں بس ایک منٹ میں بلا لاتا ہوں یا پھر آپ کچھ دیر بعد کر لیجیے۔" اس نے چند لمحے سوچا پھر سہولت سے فون نزدیک کر کے صوفے پہ

بیٹھتے ہوئے کہا۔
"میں ہولڈ کرتی ہوں تم بلا لاؤ۔ بھاگ کے جانا میرے بھائی!"
"جناب میں یوں گیا اور یوں آیا۔"
وہ ریسیور کان سے لگائے ٹیبل پہ پڑے اخبار کی ورق گردانی کرنے لگی ابھی چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ کسی کے تیز تیز بولنے کی آواز ابھری۔ وہ پل میں پہچان گئی یہ طوبیٰ ہی تھی۔
"اوفوہ، جب بھی جانے کا پروگرام بناؤ یہ محترمہ پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ اب تو میں کوئی بھی بہانا بناؤں اشعب نہیں مانیں گے۔ وہ تو یہی سمجھیں گے کہ طوبیٰ کی وجہ سے میں میکے جانے کے لیے مچل رہی ہوں جب کہ میں نے سوچا تھا امی سے کہہ کر فون کرواؤں گی کہ آج مجھے چیک اپ کے لیے انہوں نے ڈاکٹر کی طرف لے جانا ہے۔ آرام سے بات بن جاتی لیکن طوبیٰ کی پہلے سے موجودگی سے وہ کھٹک جائیں گے۔ اتنا تو چڑتے ہیں اس سے اور جنید بھائی سے۔" وہ سارے پروگرام کو غارت جاتے دیکھ کر افسوس سے سر ہلا رہی تھی۔ شاید چپکے سے ریسیور رکھ دیتی اگر طوبیٰ کا جملہ اسے چونکا نہ دیتا۔
"اور سناؤ تجلی! وہ تمہاری نئی نئی سڑیل بنی آپی آئی یا نہیں۔" اشارہ یقیناً اس کی طرف تھا اس نے کان کھڑے کر لیے۔
"شکر ہے اس ہفتے آمد نہیں ہوئی۔" تجلی کی بیزار سی آواز سن کر بھی وہ یقین نہ کر پائی کہ یہ وہی اس کی منی سی بہن ہے جو کبھی آپی آپی کہتے پیچھے پھرتی تھی۔ وہ مزید کہہ رہی تھی۔
"اللہ آپی! آپ آتی ہیں نا تو کتنا مزا آتا ہے، خوب گپ شپ کرتے ہیں، مووی دیکھتے ہیں، آؤٹنگ کے لیے جاتے ہیں اور ایک ازکی آپی ہیں وہ آئیں تو ہمارے بنے بنائے پروگرام بھی ٹھس ہو جاتے ہیں۔ اور جو ساتھ میں اشعب بھائی ہوں، اف توبہ۔ آپی کا بس نہیں چلتا ہمیں مجسمہ بنا کر کونے میں کھڑا کر دیں۔ بھلا ان کے شوہر نہ ہوئے کسی انسپکشن ٹیم کے لیڈر ہو گئے۔ زور سے مت بولو، قہقہہ مت لگاؤ۔ دوپٹہ طریقے سے لو، یہ کرو... وہ کرو... جان مصیبت میں آ جاتی ہے۔ بھابھی بھی بڑی تنگ آئی ہوئی ہیں آج کل ان سے۔ پرسوں بھی بھیا سے کھٹ پٹ ہوئی تھی۔"
آخری جملہ اس نے بڑی رازداری سے کہا۔ ساتھ ہی امی کی آواز آئی۔ وہ طوبیٰ سے ملتے ہوئے بتا رہی تھیں کہ پڑوس کے لیے نکلتے ہوئے انہوں نے اس کی کار پورچ میں داخل ہوتے دیکھی اور وہیں سے پلٹ آئیں۔
"امی! یہ تجلی کیا بتا رہی ہیں، ازکی کی وجہ سے بھیا اور بھابی میں کچھ" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا جس کا جواب جاننے کی وہ بھی منتظر تھی۔
"کیا بتاؤں، قصور تو سارا ازکی کا بھی نہیں۔ وہ بے چاری کیا کرے، اپنے گھر سے جلی بھنی آتی ہے۔ ایمن اس کی مجبوری سمجھنے کے بجائے الٹا برا مان جاتی ہے کہ اس کے آنے سے گھر میں ٹینشن پھیلتی ہے۔"
"یہ کیا بات ہوئی؟ امی کچھ تو انصاف کی بات کریں۔ غلطی اس کی ہے، اپنے گھر کی ٹینشن اپنے گھر تک رکھا کرے۔ بھابی بری ہوتیں تو اب اپنی برائی ظاہر کرتیں، میری شادی کو اتنے سال ہو گئے اور میرا تو زیادہ وقت یہاں گزرتا ہے، کبھی تنگ ہوئی ہیں وہ۔ اور کیوں ہوتی، ہنستے ہنستے آتے ہیں ہم اور بغیر کسی پہ بوجھ بنے، کوئی شکایت کا موقع دیے، ہنستے ہنستے ہی واپس جاتے ہیں۔ اس کا تو جب دیکھو منہ سوجا رہتا ہے۔ ایک تو میاں بھی اکڑو ہے خود بھی ایسی ہو گئی ہے۔"
"کیسے سمجھاؤں اسے، چلو میں تو ماں ہوں، وہ پرائی ہے۔ لاکھ اچھی سہی رشتہ تو بھاوج کا ہے، کتنا سہہ سکتی ہے۔ یہ تو اسے بھی پھرکی بنا دیتی ہے اور میاں کو آنا ہو تو دستر خوان کا آرڈر دے دیتی ہے۔ یہ بناؤ وہ بناؤ، اشعب گائے کا گوشت نہیں کھاتے، کوکنگ آئل سے ہیک آتی ہے، گھی ڈالیں، سویٹ ڈش ضرور بنائیں، شوربے والا سالن انہیں پسند نہیں۔ اور زیادہ غصہ اسے تب آتا ہے جب میاں کے آنے پر اس کے بچوں کو کمرے تک محدود کر دیتی ہے۔ بچے شرارتیں تو

کرتے ہی ہیں، انہیں ان کے گھر میں ہی قید کر دینا کوئی عقل مندی کی بات ہے۔" امی کو بھی اس سے اتنی شکایتیں تھیں، وہ سن رہ گئی۔

"نجانے کیوں ایسی ہو گئی ہے وہ؟ بن تک کو نہیں برداشت کر سکتی۔ میں کوئی بچی تو نہیں، اچھی طرح پہچانتی ہوں اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے، مجھے دیکھتے ہی اس کا منہ بن جاتا ہے۔ بھئی تمہارا میکہ ہے تو میرا بھی میکہ ہے۔ جتنا تمہارا حق اتنا میرا بھی ہے۔ کیا یہاں آنے کے لیے اب اس کا منہ دیکھوں۔"

"اور خود تو آجاتی ہیں ہمیں کبھی جھوٹے منہ نہیں کہا آنے کے لیے۔ ایک آدھ بار گئے بھی تو سخت شرمندگی ہوئی۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا ہمیں فوراً چلتا کر دیں۔" تجلی نے شکایت کی تو امی نے گھر کا۔

"تم چپ رہو تاجی! بڑوں میں نہیں بولتے۔"

"کمال ہے امی! آپ یہاں بیٹھی ہیں اور میں آپ کو کہاں کہاں ڈھونڈ......" باسط کی آواز پہ اس کے پتھرائے اعصاب میں ارتعاش پیدا ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ انہیں اس کے فون کے بارے میں بتاتا اس نے لائن ڈس کنکٹ کر دی۔

♥ ♡ ♡ ♥
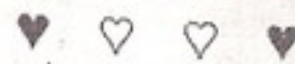
"اگر بجیا کو سسرال اچھی نہیں ملی تو اس میں میرا کیا قصور؟ میں کیا بے جان چیز ہوں جسے پٹخ پٹخ کے وہ اپنا غصہ نکالیں گی۔"

اسے اپنا سوال یاد آیا۔ اور فریاد بھی۔

"آپ ہی انصاف کیجیے امی جان! کیا یہ درست ہے؟"

"کچھ تو انصاف کی بات کیجیے امی!" اس کی آواز میں طوبیٰ کی آواز شامل ہوئی اور اس پہ آگہی کے تمام دروا کر گئی۔ ادراک کا یہ لمحہ اس کی سوچ کے تمام زاویے بدل گیا۔

لاشعوری طور پہ وہ ان تمام رویوں کی مرتکب ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ بجیا سے شاکی رہی۔ اب اسے اپنے گھر میں بھائی اور بھاوج کی پذیرائی کرنے سے اجتناب کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اسے حیرت ہونے لگی اس وقت یہ نکتہ اس کے دماغ میں روشن کیوں نہیں ہوا جب بھائی اور تجلی شاپنگ کے بعد اس سے ملنے چلے آئے تھے اور کمرے میں موجود اشعب نے جھنجلا کر ریموٹ پھینکتے ہوئے کہا تھا۔

"مارکیٹ کے قریب گھر ہونے کا مطلب یہ نہیں، اب اس جگہ کو ریسٹ پوائنٹ سمجھ لیا جائے اور شاپنگ کے بعد ستانے کے لیے یہاں ڈیرے ڈالے جائیں۔"

تب دل ہی دل میں آنسو بہاتے اس نے کس بے دردی کے ساتھ چہرے پہ ناگواری کے تاثرات سجا کے ان سے روکھی پھیکی چار باتیں کی تھیں اور بھائی نے فوراً محسوس کر لیا تھا۔ اور اسے اپنی شاپنگ دکھائے بغیر ہی واپس چلی گئی تھیں۔ وہ کیوں بھول گئی تھی وہ تو بس صرف شوہر کی ناپسندیدگی سے بچنے کے لیے میکے والوں کے لیے راہ ہموار نہیں رہنے دیتی تھی تو بجیا تو بھرے سسرال میں رہتی تھیں، جہاں ایک سے ایک نکتہ چین موجود تھا۔ کیا مجھے نظرانداز کرتے ہوئے ان کو بھی یونہی اپنا دل مسلنا پڑتا ہوگا۔

"یہ کرو...... وہ کرو...... یہ پکاؤ...... وہ نہ پکاؤ......"

تجلی کی بات پہ اسے یاد آیا۔ اس کے کہنے پہ وہ بارے باندھے ان کے شوہر کی خاطر مدارت کر تو لیتی تھیں لیکن دل ہی دل میں ہزار صلواتیں سناتے ہوئے۔ کیا بھائی کی طرف سے بجیا کو بھی بس وہی ایک بات سننے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

"تمہارے گھر والوں میں خاندانی لوگوں کے رکھ رکھاؤ نہیں۔ نہ کوئی طریقہ نہ سلیقہ نجانے کیوں جاتی ہو وہاں اور ساتھ مجھے بھی ذلیل کرانے گھسیٹ لیتی ہو۔ کوئی منہ تک تو نہیں لگاتا تمہیں۔"

اسے آج وہ خود اور بجیا ایک ہی کشتی کے سوار لگ رہے تھے۔ جن کے تمام تر حوصلے ناکافی پڑ رہے ہوں اپنی بقا کے لیے۔ لاکھ ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد بھی جب خود کو بچا نہ پا رہے ہوں تو سہارے کے لیے کسی رشتے کا دامن تھام لینا پڑ گیا ہو۔

"ان میں اگر صلاحیت ہے تو خود شوہر کو قابو کریں۔

بھائی اور ماں کے رشتے کیوں تلاشتی ہیں۔"

اپنا یہ دعوا اسے کھوکھلا سا لگا۔

"خود میں کیا ہوں، اتنی ہی کمزور اتنی ہی بودی۔ شوہر کو خوش رکھنے کے جتن میں باقی سب کو ناراض کر بیٹھی ہوں۔ اگر میرا کوئی قصور نہیں تو پھر بجیا بھی بے قصور ہیں۔ اگر میں حق بجانب ہوں تو وہ بھی اور اگر وہ خود کو اپنی گھرہستی کو بچانے کی خاطر میرا استحصال کر رہی ہیں تو پھر غلط تو میں بھی ہوں۔ مجھے کم از کم کوئی ایک غلطی تو سدھارنی ہے۔" اس نے ارادہ کیا۔

"مجھے بغیر کسی سہارے کے، کسی کے کاندھے پہ چڑھے بغیر محض اپنے بل بوتے پر..... اپنا مقام بنانا ہے اور ایسا میں صرف اپنے لیے نہیں کروں گی۔ اور شاید اشعب کو بھی..... بدل دوں۔"

اسے آنکھوں سے سرک کر لبوں کے گوشوں میں سمٹتی وہ مسکراہٹ یاد تھی۔ نرم مسکراہٹ جو شاید رستہ بھول گئی ہے۔

"میں اس مسکراہٹ کا ہاتھ تھام کے اسے پھر سے اس جگہ سجادوں گی، جہاں ابھرنے کا وہ راستہ ڈھونڈتی پھرتی ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥
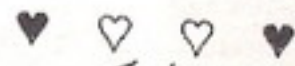
اشعب اپنا والٹ لینے کمرے میں داخل ہوا، حسب عادت دروازہ کھولتے ہی بولنا شروع ہو گیا۔

"ہری اپ، پہلے ہی دیر ہو گئی، راستے میں کیک اور مٹھائی وغیرہ بھی لینا ہے۔ تمہاری تیاری اس قدر طویل....."

اس پہ نظر پڑتے ہی وہ سب بھول گیا۔ شادی کے اولین چند دنوں میں وہ اسی طرح تیار ہوتی تھی لیکن آج کل تو اس پہ روپ ویسے بھی ٹوٹ کر برس رہا تھا امی کہتی تھیں کہ بڑی بختاور ہوتی ہیں وہ عورتیں، ماں بننے کے مرحلے میں جن کے چہرے پہ چاند ستارے اتر آتے ہیں۔

آج تو اس کی سج دھج ہی نرالی تھی۔ شیفون کے کرتا دوپٹے پہ نازک سی سلور بیلیں بنی ہوئی تھیں۔ جدید تراش کی سادہ شلوار اور بغیر ہیل کے سلور سینڈل، لمبے بال خوبصورت اسٹائل میں سنوارے ہوئے تھے۔ چہرے کے اطراف میں کچھ لٹیں یونہی چھوڑ دی گئی تھیں۔ ہیرے کی لونگ اور بھاری جھمکے چہرے کو جگمگا رہے تھے ورنہ میک اپ تو لائٹ سا ہی تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟" نظریں چراتے ہوئے اس نے ایک آوارہ لٹ کو ہاتھ سے پیچھے کیا۔ چوڑیوں کی مدھر جھنکار بکھر گئی۔

"کچھ نہیں، میں تو بس..... وہ تم نے پہلے ساڑھی نکالی تھی۔"

"جی لیکن امی کا کہنا ہے اس حالت میں ساڑھی پہننا میرے لیے مناسب نہیں پاؤں اٹکنے کا ڈر ہوتا ہے ویسے بھی ساڑھی کے ساتھ ہائی ہیل اچھی لگتی ہے۔ جس پہ پہلے سے پابندی ہے۔"

"چلو اچھی بات ہے، ناٹ بیڈ....." وہ اسے نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر چل پڑا۔ دروازہ ٹھک سے بند ہوا۔ وہ مسکرادی۔

"بس کچھ دیر اور۔ ذرا سی دیر اور..... کتنی دیر تک دروازے بند رکھو گے۔ میں دستک نہیں دوں گی اشعب، بس میری چاپ سن کر ہی تم یہ دروازہ کھول دو گے۔ وہ دن دور نہیں۔"

آنچل درست کرتی وہ اس کے پیچھے نکل آئی۔

♥ ♡ ♡ ♥
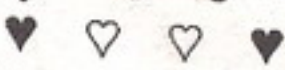
آج شام وہ کیا سرپرائز دینے والی تھی اس سے صرف امی جان واقف تھیں بلکہ انہیں بھی اس نے صبح ہی بتایا تھا۔ ظاہر ہے بجیا کو فون تو ان ہی سے کروانا تھا۔ بجیا نے امی سے شام کو آنے کا وعدہ کر لیا۔ انہوں نے داماد کے لیے خاص تاکید کی تھی۔

اس سرپرائزنگ پارٹی کا آئیڈیا اسے پچھلے ہفتے رمشا کی برتھ ڈے پر وہیں آیا تھا۔ پارٹی میں سب حسب معمول تھا۔ وہی بجیا کا گریز، سسرالی عزیزوں کی آؤ بھگت اور حامد بھائی صاحب کی اکڑی اکڑی گردن..... اگرچہ یہ اشعب کی سگی پھوپھی کا گھر تھا لیکن اس وقت وہ صرف ان کی بہو کے میکے والے تھے۔ اس طرح الگ تھلگ غیروں کی طرح گید رنگ میں بیٹھے رہے

لیکن ازکی نے آج کچھ بھی دل پہ نہ لیا۔ اسے بجیا بڑی بے بس سی اور مجبور نظر آرہی تھیں۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ ان کے دل میں اس وقت کیا کیا جذبات امنڈ رہے ہوں گے۔ ان کا دل چاہ رہا ہوگا رمشہ کے کیک کاٹتے ہوئے دادی کے ساتھ ساتھ نانی بھی ہمراہ کھڑی ہوں۔ شاید ان کا یہ بھی من ہو کہ ساری مصروفیات سے چند لمحے چرا کے وہ گھڑی دو گھڑی اپنے پیارے بھائی کے پاس آبیٹھیں۔

پہلے ازکی کو بجیا کو سامنے پا کر تاؤ آتا تھا' آج ترس آرہا تھا وہ خود کو ان کی جگہ دیکھ رہی تھی۔

"اگر میں امی کو اور طوبی کو حقیقت بتادوں تو وہ بھی مجھ پہ ترس کھائیں گی۔ اور..... اور کیا میں اس قابل ہوں کہ مجھ پہ ترس کھایا جائے..... اس ایک شخص کی وجہ سے....." اس نے کچھ دور کھڑے اشعب کو کن اکھیوں سے دیکھ کر سوچا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس ایک شخص کی وجہ سے لوگ مجھ پر رشک کریں۔" اس کے حوصلے ہر روز پہلے سے بڑھ کر توانا ہو رہے تھے اور ارادے بلند۔

اسے علم ہوا تھا کہ بجیا کی ویڈنگ اینور سری اور برتھ ڈے آگے پیچھے ہی ہیں۔ اس نے دھیان سے اینور سری کی ڈیٹ سنی اور یہ پلاننگ کرلی۔

بجیا اور حامد بھائی کے لیے گفٹس وہ پرسوں ہی لے آئی تھی۔ شام کو کیک کا آرڈر بھی دے دیا تھا اور صبح سے اس کا ایک پیر کچن میں تھا (جہاں وہ چائے کے ساتھ پیش کرنے کے لیے اسنیکس کی تیاری کر رہی تھی) تو دوسرا پیر ڈرائنگ روم میں تھا۔ (جہاں کی سجاوٹ منفرد طریقے سے کی جارہی تھی) اشعب' بجیا کے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی آفس سے لوٹا اور یہ اس کے لیے بھی ایک سرپرائز ہی تھا۔

بجیا تو حیرت اور خوشی کے مارے کتنی ہی دیر گم صم کھڑی رہیں۔ حامد بھائی بھی اس اہتمام سے متاثر نظر آرہے تھے۔ بچے الگ پرجوش تھے انہوں نے کبھی ماما پاپا کو ویڈنگ اینور سری سیلبریٹ کرتے دیکھا ہی نہ تھا۔ بجیا کے سسرال میں ان خرافات کی قطعی گنجائش نہ تھی۔ جب کہ چھوٹی چھوٹی یہ خوشیاں زندگی کو کتنی خوبصورتی بخشتی ہیں' وہ اس کا احساس ہی تو حامد بھائی کو دلانا چاہتی تھی۔

کیک کاٹنے کے بعد سب کو ایک ایک پرچی دی گئی جس میں وہ نام درج تھے جن کے بارے میں انہیں ایک ایک فقرہ کہنا تھا۔ حامد بھائی اس گیم میں شامل ہونے کے لیے بڑے نخروں سے تیار ہوئے۔

سب سے پہلے کھیل کے اصول کے مطابق لیڈر یعنی ازکی نے اپنی پرچی کھولی اس پہ امی جان کا نام درج تھا۔ اس نے مسکرا کر ساس کا شفیق چہرہ دیکھا۔

"امی جان! آپ واقعی میری امی بھی ہیں اور جان بھی۔"

اس سادہ سے فقرے نے ان کا مان کہیں زیادہ بڑھا دیا۔ ان کی آنکھوں میں چمکتے ستارہ سے دو آنسو جھلملاتے دیکھ کر اشعب نے سوچا۔

"یہ جھلملاہٹ تو میں کب سے دیکھنا چاہ رہا تھا ان آنکھوں میں امی۔"

بچوں نے شور مچادیا کہ پہلے وہ اپنی پرچیاں پڑھیں گے۔ زید اور بکر کی پرچیوں پہ رمشا اور رمنا کے نام لکھے تھے تو ان کے حصے بھائیوں کے نام آئے۔ چاروں نے بساط بھر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچی۔

اب بجیا کی باری تھی۔ نام' نام پڑھتے ہی ان کے چہرے پر شرمگیں لالی پھیل گئی سب جان گئے وہ نام کس کا ہو سکتا تھا۔ حامد بھائی بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ کافی دیر سوچتے رہنے کے بعد بجیا گویا ہوئیں۔

"میری ہر خوشی آپ کی خوشی سے وابستہ ہے۔"

نجانے اس مبہم سے جملے میں کیا تھا جو حامد بھائی کے چہرے پہ کئی رنگ آکر گزر گئے۔ انہوں نے پرچی پڑھے بغیر ہی مٹھی میں لے کر مسل ڈالی' سب حیران ہوئے تو وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنے لگے۔

"میں نہیں جانتا اس میں کس کا نام درج ہے میں تو صرف اپنی بیگم کے لیے کچھ کہنا چاہوں گا۔ آخر اس تقریب کے روح رواں ہم دونوں ہی تو ہیں۔"

"ہرے..... ہرے....." سب نے تالیاں بجا کر داد

دی۔

"شبانہ......!"

بچپا نے چونک کر دیکھا' یہ لہجہ۔ محفل میں تو انہوں نے کبھی اس نرمی سے اسے پکارنا گوارا نہ کیا تھا۔ اور اب تو تنہائی میں بھی ان کے کان ترس گئے تھے اس پکار کو سننے سے۔

"شبانہ! تم ہی میری خوشی ہو۔"

وہ بچوں کے اور بھائی کے سامنے اس بے ساختہ اظہار پہ جھینپ ضرور گئیں لیکن آنکھوں کی چلمنوں میں دوڑتے جگنو اپنی چھب دکھا رہے تھے۔

"ماموں کی باری...... اب ماموں آپ کی باری ہے۔" بچوں کے شور پہ سوچ میں ڈوبا اشعب چونکا پرچی کھول کر نام پڑھا۔ ازکی دھڑ دھڑ کرتا دل سنبھالے ہمہ تن گوش ہوگئی۔

"ڈریو بیری مور" اس نے اپنی فیورٹ ہالی وڈ ایکٹرس کا نام لیا۔ ازکی نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا' اس نے خود سب کو پرچیاں تقسیم کی تھیں اور اسے یاد تھا یہ نام کسی کی پرچی پر نہیں لکھا گیا تھا بلکہ......

"ڈریو بیری مور...... تم کھایا کرو۔ تمہارا ووٹ بڑھ رہا ہے۔"

آخری پرچی امی جان کے حصے میں آئی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کھولی اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ پڑھنے لگیں۔

"میرے بچو! اللہ تمہیں یونہی ہنستا مسکراتا رکھے۔"

یوں یہ سادہ سی گھریلو سی تقریب سب کو مزا دے گئی۔ اشعب نے سب کو ڈنر اپنی طرف سے دینے کا اعلان کیا۔ امی جان ان سب کے اصرار کے باوجود چلنے پہ راضی نہ ہوئیں بلکہ رمشا اور رمنا جو نیند سے بے حال ہو رہی تھیں انہیں بھی اپنے پاس روک لیا۔ یوں وہ چھ کے چھ لوگ ایک ہی کار میں سوار پی سی کے بوفے لان میں پہنچے۔

سب کے گفٹس ملنے کے بعد حامد بھائی کو شاید کچھ محسوس ہوا اس لیے ڈنر کے فوراً بعد بچوں کو اشعب اور ازکی کے ہمراہ جیم خانہ ڈراپ کرتے ہوئے اپنی بیگم کو لے کر جیولرز کی طرف چلے گئے۔

"ابھی تک تو بہت چہک رہی تھیں۔ یہ اچانک کیوں سوچ گئیں؟"

زید اور بکر کو اپنے کوئی کلاس فیلو مل گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ گپ شپ کرنے لگے اور ان سے کچھ ہی فاصلے پہ سوئمنگ پول کے کنارے دھری چیئرز پہ کافی پیتے ہوئے اشعب نے کھوئی کھوئی سی ازکی سے سوال کیا۔

"آپ نے پرچی پہ لکھا نام...... میرا مطلب یہ ڈریو بیری مور کہاں سے ٹپک پڑی؟"

"دراصل میں تمہیں جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ نہ تو ایک ہی فقرے میں سما سکتا ہے اور......" وہ مسکرایا "نہ ہی سب کے سامنے کہنا مناسب ہے۔" وہ لب کچلنے لگی۔

"بتاؤ ناں!" اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے کے باوجود وہ کہنے لگا۔

"ازکی! تم واقعی ازکی ہو' عمدہ' نفیس' سب سے بہترین' میرے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اب تم سے زیادہ اچھی نہیں اور تم سے زیادہ اہم بھی نہیں۔ ہماری شادی کو چند ماہ بعد ایک سال پورا ہونے والا ہے اور مجھے لگتا ہے جیسے ابھی ابھی...... اس ایک پل میں، میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور جانتی ہو یہ احساس مجھے گزرے کئی پلوں میں ہوا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے ہر پل یہ احساس ہو کہ جیسے ابھی ابھی......" وہ ان خوبصورت لفظوں کے جذب میں ڈوبی جا رہی تھی کہ سنبھل گئی۔

"نہیں اشعب......! یہ محبت نہیں ہے۔ یہ اظہار تشکر ہے۔ آپ اپنی بچپا کے لیے جو کچھ سوچتے تھے جو کچھ کرنا چاہتے تھے' وہ میں نے کر دکھایا اور اس کے صدقے آپ......" اس کی آواز بھرا گئی' اس نے ڈبڈبائی نظریں اٹھا کے سامنے دم بخود بیٹھے اشعب کو دیکھا۔

"میں کسی سہارے کے بغیر آپ کو پانا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ جیسے حامد بھائی کو میں نے احساس دلایا کہ ان کی اصل اور سچی خوشی کس سے

[illegible] ایسے ہی کوئی اور آکر آپ کے دل میں میری [illegible] احساس جگائے۔ بچپا کے لیے ایسا کرنا ضروری [illegible] اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اب [illegible] وہ بچی تھی آپ نے ان کے ساتھ کچھ اچھا [illegible] آپ نے نہ امی جان نے۔" اشعب کچھ [illegible] تھا لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

"[illegible] کہنے دیجئے پلیز......! عورت کی عزت اس میں [illegible] کے میکے والے اس کے شوہر کی آنکھ [illegible] سر آنکھوں میں بٹھائیں اور تب کہیں جا کر مرد [illegible] دل میں اس عورت کی جگہ بن سکے۔ کیوں......؟ [illegible] ایک مرد اپنی بیوی کو صرف بیوی کی حیثیت سے [illegible]؟ ایک بیوی ہونے کے ناتے وہ اپنے فرائض [illegible] ادا کر رہی ہے۔ اس کے بچوں کی اچھی تربیت کر رہی [illegible] اس کی غمگسار و وفادار ہے' کیا یہ سب کافی نہیں' [illegible] ضروری ہے کہ بیوی کا پورا میکہ ہی مرد کے [illegible] منشا ہو۔ اس کی مرضی کے مطابق چلے؟ آپ [illegible] حامد بھائی کے تمام نخرے سہہ کر' جائز ناجائز [illegible] انہیں مان کر سمجھتے ہیں کہ بچپا کی قدر بڑھ جائے گی۔ [illegible] یہ خیال بھی غلط ہے کہ اس عام سی پارٹی نے حامد بھائی کو سرتاپا بدل دیا ہے۔ ہاں عمر کے اس مرحلے [illegible] اور ازدواجی زندگی کے گزرے کئی برسوں نے [illegible] انہیں کچھ سوچنے پہ مجبور ضرور کر دیا ہے میں نے [illegible] صرف موقع تلاشا ہے ایک بہانہ فراہم کیا ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ ایک موقع' ایک بہانہ آپ کو میرے قریب لائے' میری خواہش تو یہ ہے کہ آپ میری وجہ سے میرے قریب آئیں۔"

اس کی ساری بات سن کر اشعب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اس کے جھکے جھکے سر کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"اچھی لڑکی! تم اتنی اچھی اور صاف دل کی ہو' تمہارے جیسے لوگ بد گمان کم ہی ہوتے ہیں اس لیے تمہیں اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے میں قسمیں نہیں کھاؤں گا صرف اتنی سی درخواست کروں گا کہ بس ایک بار میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ سن لو جو میں کہنے جا رہا ہوں' تم خود بخود یقین کر لو گی۔"

اس کے لہجے کی بے قراری محسوس کر کے ازکی نے ناراض ناراض سی نگاہیں اٹھائیں اور ششدر رہ گئی' اشعب کے چہرے پہ اتنا کچھ تھا' ان آنکھوں میں ایسے پیغام تھے کہ وہ ایک لفظ سنے بغیر ہی ایمان لے آئی۔

"مجھے اپنی غلطیوں کا بہت عرصے پہلے سے ہی احساس ہونے لگا تھا' تم جب دن بدن میرے دل کے قریب آتی رہیں اور میں شرمسار ہوتا رہا کہ میں نے ایسا کچھ بھی تو نہ کیا تھا تمہارے لیے کہ تمہاری محبت کا حقدار ہوتا یا تم سے محبت کا دعوا کرتا لیکن...... پھر میں نے سوچا کہ ابھی وقت ختم نہیں ہوا۔ معافی کے لیے بھی اور تلافی کے لیے بھی۔ کیا تم میرا یقین کرو گی کہ میں تم سے...... صرف تم سے محبت کرتا ہوں...... میں تمہارے قریب صرف اور صرف تمہاری وجہ سے آیا ہوں۔" بولو یقین کرو گی۔"

"ہوں......" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"ایسے نہیں بس ایک بار...... ایک بار مسکرا دو۔" وہ ہولے سے گنگنایا تو ازکی کھلکھلا اٹھی۔

❁